بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

شمارہ 33
شرح چندہ
سالانہ 700 روپے
بیرونی ممالک
بذریعہ ہوائی ڈاک
50 پاؤنڈ یا 80 ڈالر امریکن
یا 60 یورو

جلد 69
ایڈیٹر
منصور احمد
نائبین
قریشی محمد فضل اللہ
تنویر احمد ناصر ایم اے

22 ذوالحج 1441 ہجری قمری • 13 ظہور 1399 ہجری شمسی • 13 راگست 2020ء Postal Reg. No. GDP/001/2019-20

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجرِ اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اِس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کردے سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اُس گھر کے گرد گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔‘‘

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 100)
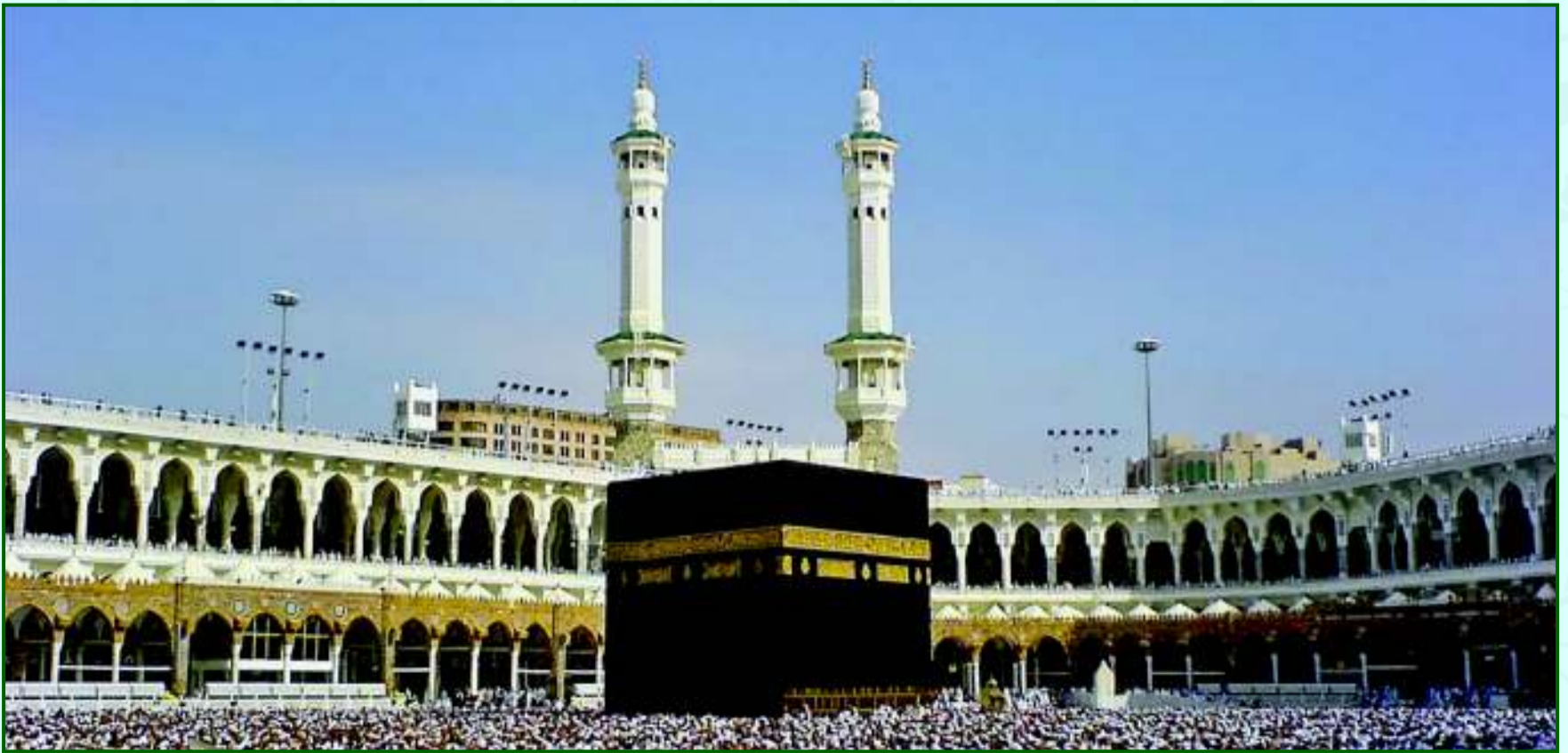
نام اُس کا ہے محمدؐ
دلبر مرا یہی ہے

منظوم کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے
اُس پر ہر اک نظر ہے بدرالدّجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اُتارے
مَیں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پَردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
دِل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اُس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیّب و امیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اُس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نِعم العطاء یہی ہے

آنکھ اُس کی دُوربیں ہے دِل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیاء یہی ہے

جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

اُس نُور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تُو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

❀❀❀

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرامؓ سے حسنِ سلوک

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان اور اپنے ماں باپ کی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت آپ پر فدا ہونے کے لئے تیار رہتے۔ اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ کوئی دوسری چیز اُنہیں عزیز نہیں تھی۔ اور اس کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ سے بے حد محبت شفقت اور ہمدردی کا سلوک فرماتے۔ ہر طرح سے ان کی دلجوئی کرتے۔ مالی معاونت فرماتے۔ اگر کوئی مقروض ہوتا تو اس کے قرض کی ادائیگی کرتے۔ ذیل میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے صحابہ سے حسن سلوک کے چند واقعات پیش ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مخلص صحابی حضرت جابرؓ تھے۔ ان کے والد کا نام عبداللہؓ بن عمرو بن حرام تھا۔ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ جنگ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ستّر جاں نثار صحابہ کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جس میں آپؐ کے عزیز چچا حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے۔ حدیث میں آتا ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ خود روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مِلے۔ حضور علیہ السلام نے مجھے دیکھ کر فرمایا اَے جابر آج میں تمہیں پریشان اور اُداس کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مَیں نے عرض کیا حضور میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور کافی قرض اور بال بچّے چھوڑ گئے ہیں۔ حضورؐ فرمانے لگے کیا میں تمہیں یہ خوشخبری نہ سُناؤں کہ کس طرح تمہارے والد کی اللہ تعالیٰ کے حضور پذیرائی ہوئی۔ میں نے عرض کیا ہاں حضور ضرور سُنائیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر کسی سے گفتگو کی ہے تو ہمیشہ پردہ کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے باپ کو زندہ کیا اور اس سے آمنے سامنے گفتگو کی اور فرمایا میرے بندے مجھ سے جو مانگنا ہے مانگ۔ میں تجھے دونگا۔ تمہارے والد نے جواباً عرض کیا اے میرے ربّ میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ کر کے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دے تا کہ تیری خاطر دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ میں یہ قانون نافذ کر چکا ہوں کہ کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں نہیں لوٹاؤں گا۔

(ترمذی ابواب التفسیر تفسیر سورۃ آل عمران، بحوالہ حدیقۃ الصالحین مصنفہ ملک سیف الرحمٰن صاحب حدیث نمبر 320)

حضرت جابرؓ کو ان کے والد عبداللہ نے کہا تھا کہ فلاں یہودی سے لیا ہوا میرا قرض میری شہادت کے بعد باغ کے پھل کو فروخت کر کے ادا کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق یہودی کا قرض ادا کر دیا۔ **(خطبہ جمعہ 30 مارچ 2018)**

اُس زمانے میں رواج تھا کہ باغوں اور فصلوں کے مقابل پر قرض لیا جاتا تھا۔ حضرت جابرؓ بھی اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے قرض لیتے تھے۔ ایسے ہی ایک قرض کا ذکر حدیث میں ملتا ہے جو حضرت جابرؓ نے ایک یہودی سے لیا تھا۔ حضرت جابرؓ نے یہودی سے کہا کہ اس سال پیداوار کم ہے اس لئے قرض کی وصولی میں سہولت دے دو۔ کچھ حصہ اب لے لو اور باقی آئندہ سال لے لو۔ لیکن وہ یہودی کسی قسم کی سہولت دینے کو تیار نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں پتہ چلا تو آپؐ نے یہودی کے پاس حضرت جابر کی سفارش کی لیکن وہ نہ مانا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنے اس صحابی سے اس کے قرض اتارنے کے سلسلہ میں شفقت فرمائی، دعا کی، اور کس طرح پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، اس کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ خود روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا جو میرے کھجوروں کے باغ کا نیا پھل تیار ہونے تک مجھے قرض دیا کرتا تھا۔ میری یہ زمین رومہ نامی کنوئیں والے راستہ پر واقع تھی۔ ایک بار سال گزر گیا مگر پھل کم لگا اور پوری طرح تیار بھی نہ ہوا۔ پھل کی برداشت کے موسم میں وہ یہودی حسب معمول اپنا قرض وصول کرنے آ گیا جبکہ اس سال میں نے کوئی پھل نہ توڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے مزید ایک سال کی مہلت مانگی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ اس طرح شاید یہ پورے کا پورا باغ میرے قبضہ میں آ جائے۔ تو اس واقعہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کو فرمایا کہ چلو ہم یہودی سے جابر کے لئے مہلت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع چند صحابہ کے میرے باغ میں تشریف لائے اور یہودی سے بات کی۔ مگر یہودی نے کہا، اَے ابوالقاسم! میں اسے مہلت نہیں دوں گا۔ یہودی کا یہ رویّہ دیکھ کر آپؐ نے کھجور کے درختوں میں ایک چکر لگایا پھر آ کر یہودی سے دوبارہ بات کی۔ لیکن اس نے پھر انکار کر دیا۔ کہتے ہیں اس دَوران مَیں نے باغ سے کچھ کھجوریں توڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں جو آپؐ نے تناول فرمائیں۔ پھر فرمایا جابر یہاں تمہارا جو باغوں میں چھپّر سا ہوتا ہے، آرام کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہ کہاں ہے؟ میں نے بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے لئے وہاں چٹائی بچھا دو تا کہ میں کچھ دیر آرام کروں۔ کہتے ہیں میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ آپ وہاں سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو میں پھر مٹھی بھر کھجوریں لایا۔ آپؐ نے ان میں سے کچھ کھائیں۔ پھر کھڑے ہوئے اور یہودی سے دوبارہ بات کی مگر وہ نہ مانا۔ آپؐ نے دوبارہ باغ کا چکر لگایا اور مجھ سے فرمایا جابر کھجوروں سے پھل اتارنا شروع کرو اور یہودی کا قرض ادا کرو۔ میں نے پھل اتارنا شروع کیا۔ اس دوران آپؐ کھجوروں کے درختوں میں کھڑے رہے۔ کہتے ہیں میں نے پھل توڑ کر یہودی کا سارا قرضہ ادا کر دیا اور کچھ کھجوریں بچ گئیں۔ میں نے حضورؐ کی خدمت میں یہ خوشخبری عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الاطعمہ باب الرطب والتمر ......الخ حدیث 5443، ماخوذ از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ 30 مارچ 2018ء)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شفقت اور ہمدردی کا ایک اور واقعہ پیش ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ خود بیان کرتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا۔ حضورؐ میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہوا جو چل نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا حضور! یہ چلنے سے عاجز ہو چکا ہے۔ حضورؐ نے اسے ہانکنا

باقی صفحہ نمبر 31 پر ملاحظہ فرمائیں

ہفت روزہ بدر ”سیرۃ النبی ﷺ نمبر“

فہرست مضامین

......☆......☆......☆......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم الشان مقام و مرتبہ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں

آپؐ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح:11)

ترجمہ:: یقیناً وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھ پر ہے۔

آپؐ کا فعل خدا کا فعل ہے

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (انفال:18)

ترجمہ:: اور (اے محمد) جب تونے (ان کی طرف کنکر) پھینکے تو تُو نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ ہے جس نے پھینکے۔ اور یہ اسلئے ہوا کہ وہ اپنی طرف سے مومنوں کو ایک اچھی آزمائش میں مبتلا کرے۔ یقیناً اللہ بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔

آپؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا (النساء:81)

ترجمہ:: جو اس رسول کی پیروی کرے تو اس نے اللہ کی پیروی کی اور جو پھر جائے تو ہم نے تجھے ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا۔

آپؐ کا مقام قاب قوسین

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم:10)

ترجمہ:: پس وہ دو قوسوں کے وَتر کی طرح ہو گیا یا اس سے بھی قریب تر۔

سراپا نور

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (النساء:175)

ترجمہ:: اَے لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک بڑی حجت آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن کر دینے والا نور اتارا ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (المائدہ:16)

ترجمہ:: اَے اہلِ کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آ چکا ہے جو تمہارے سامنے بہت سی باتیں جو تم (اپنی) کتاب میں سے چھپایا کرتے تھے خوب کھول کر بیان کر رہا ہے۔ اور بہت سی ایسی ہیں جن سے وہ صرفِ نظر کر رہا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آ چکا ہے۔ اور ایک روشن کتاب بھی۔

اللہ کے نور کے عظیم الشان مظہر

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النور:36)

ترجمہ:: یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔

مجسم ذکر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۛؕ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (طلاق:11،12)

ترجمہ:: پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے عقل والو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تمہاری طرف ایک عظیم ذکر نازل کیا ہے۔ ایک رسول کے طور پر جو تم پر اللہ کی روشن کر دینے والی آیات تلاوت کرتا ہے تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔

شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (الاحزاب:46،47)

ترجمہ:: اَے نبی! یقیناً ہم نے تجھے ایک شاہد اور ایک مبشر اور ایک نذیر کے طور پر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلانے والے اور ایک منور کر دینے والے سورج کے طور پر۔

مقامِ محمود پر فائز

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:80)

ترجمہ:: اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھا کر یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہوگا۔ قریب ہے کہ تیرا ربّ تجھے مقامِ محمود پر فائز کر دے۔

محمد، رسول اللہ اور خاتم النّبیین ہیں

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (الاحزاب:41)

ترجمہ:: محمد تمہارے (جیسے) مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اور سب نبیوں کا خاتم ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

آپؐ کے بارے میں میثاق النّبیین

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (آل عمران:82)

ترجمہ:: اور جب اللہ نے نبیوں کا میثاق لیا کہ جب کہ مَیں تمہیں کتاب اور حکمت دے چکا ہوں۔ پھر اگر کوئی ایسا رسول تمہارے پاس آئے جو اس بات کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے۔ اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس بات پر مجھ سے عہد باندھتے ہو؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم اقرار کرتے ہیں۔ اس نے کہا پس تم گواہی دو اور مَیں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

......☆......☆......☆......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ عادات واخلاق احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ہمدرد، نرم مزاج اور حلیم الطبع تھے

وروی ابو سعیدٍ الخُدریّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْلِفُ الْبَعِیْرَ وَیَقُمُّ الْبَیْتَ وَیَخْصِفُ النَّعْلَ وَیَرْقَعُ الثَّوْبَ وَیَحْلِبُ الشَّاۃَ وَیَأْکُلُ مَعَ الْخَادِمِ وَیَطْحَنُ مَعَہٗ اِذَا أَعْیَا وَکَانَ لَا یَمْنَعُہُ الْحَیَاءُ اَنْ یَحْمِلَ بِضَاعَتَہٗ مِنَ السُّوْقِ اِلٰی اَھْلِہٖ وَکَانَ یُصَافِحُ الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ وَیُسَلِّمُ مُبْتَدِئًا وَلَا یَحْتَقِرُ مَا دُعِیَ اِلَیْہِ وَلَوْ اِلٰی حَشْفِ التَّمْرِ وَکَانَ ھَیِّنَ الْمُؤْنَۃِ لَیِّنَ الْخُلُقِ کَرِیْمَ الطَّبِیْعَۃِ جَمِیْلَ الْمُعَاشَرَۃِ طَلْقَ الْوَجْہِ بَسَّامًا مِنْ غَیْرِ ضِحْکٍ مَحْزُوْنًا مِنْ غَیْرِ عَبُوْسَۃٍ مُتَوَاضِعًا مِنْ غَیْرِ مَذِلَّۃٍ جَوَّادًا مِنْ غَیْرِ سَرَفٍ رَقِیْقَ الْقَلْبِ رَحِیْمًا بِکُلِّ مُسْلِمٍ لَمْ یَتَجَشَّأْ قَطُّ مِنْ شَبَعٍ وَلَمْ یَمُدَّ یَدَہٗ اِلٰی طَمَعٍ۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الخشوع التواضع، صفحہ 183-184، بحوالہ حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 43)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کو عار نہیں سمجھتے تھے) اپنے اونٹ کو خود چارہ ڈالتے۔ گھر کے کام کاج کرتے۔ اپنی جوتیوں کی مرمت کر لیتے۔ کپڑے کو پیوند لگا لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ آٹا پیستے پیستے اگر وہ تھک جاتا تو اس میں اس کی مدد کرتے۔ بازار سے گھر کا سامان اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے امیر غریب ہر ایک سے مصافحہ کرتے۔ سلام میں پہل کرتے اگر کوئی معمولی کھجوروں کی بھی دعوت دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے حقیر نہ سمجھتے اور قبول کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ہمدرد، نرم مزاج اور حلیم الطبع تھے۔ آپ کا رہن سہن بڑا صاف ستھرا تھا۔ بشاشت سے پیش آتے۔ تبسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر جھلکتا رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زور کا قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ خدا کے خوف سے فکرمند رہتے لیکن ترش روئی اور خشکی نام کو نہ تھی۔ منکسر المزاج تھے لیکن اس میں کسی کمزوری، پست ہمتی کا شائبہ تک نہ تھا۔ بڑے سخی (کھلے ہاتھ کے) لیکن بیجا خرچ سے ہمیشہ بچتے۔ نرم دل، رحیم وکریم تھے۔ ہر مسلمان سے مہربانی سے پیش آتے۔ اتنا پیٹ بھر کر نہ کھاتے کہ ڈکار لیتے رہیں۔ کبھی حرص وطمع کے جذبہ سے ہاتھ نہ بڑھاتے بلکہ صابر وشاکر اور کم پر قانع رہتے۔

آپؐ کی گفتگو مختصر لیکن فصیح وبلیغ پُر حکمت اور جامع مضامین پر مشتمل اور زائد باتوں سے خالی ہوتی

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالِیْ ھِنْدُ بْنُ اَبِیْ ھَالَۃَ وَکَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِیْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِکْرَۃِ لَیْسَتْ لَہٗ رَاحَۃٌ، طَوِیْلَ السَّکْتِ، لَا یَتَکَلَّمُ فِیْ غَیْرِ حَاجَۃٍ، یَفْتَحُ الْکَلَامَ وَیَخْتِمُہٗ بِاِسْمِ اللہِ تَعَالٰی، وَیَتَکَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ، کَلَامُہٗ فَصْلٌ، لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِیْرَ، لَیْسَ بِالْجَافِیْ وَلَا الْمُھِیْنِ، یُعَظِّمُ النِّعْمَۃَ، وَاِنْ دَقَّتْ لَا یَذُمُّ مِنْھَا شَیْئًا غَیْرَ اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ یَذُمُّ ذَوَّاقًا وَلَا یَمْدَحُہٗ، وَلَا تُغْضِبُہُ الدُّنْیَا وَلَا مَا کَانَ لَھَا فَاِذَا تُعُدِّیَ الْحَقُّ لَمْ یَقُمْ لِغَضَبِہٖ شَیْءٌ حَتّٰی یَنْتَصِرَ لَہٗ، وَلَا یَغْضَبُ لِنَفْسِہٖ، وَلَا یَنْتَصِرُ لَھَا، اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِکَفِّہٖ کُلِّھَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَھَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اِتَّصَلَ بِھَا وَضَرَبَ بِرَاحَتِہِ الْیُمْنٰی بَطْنَ اِبْھَامِہِ الْیُسْرٰی وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَہٗ، (وَکَانَ الْجُدُرُ تلاحَکَ وجْھَہٗ) جُلُّ ضَحِکِہِ التَّبَسُّمُ یَفْتَرُّ عَنْ مِّثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ۔

(شمائل النبیؐ، باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 23)

حضرت حسن بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ھالہؓ سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز گفتگو کے متعلق بتائیں اور وہ حضورؐ کے اوصاف بیان کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلسل غم آتے اور آپؐ کسی مسلسل اور گہری سوچ میں رہتے۔ آپؐ کو آرام کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ اکثر خاموش رہتے۔ بغیر ضرورت کے بات نہ کرتے۔ آپؐ اللہ کے نام سے کلام شروع کرتے اور (اللہ کے نام پر ہی) اختتام فرماتے۔ آپؐ ایسا کلام فرماتے جو وسیع مطالب ومعانی پر مشتمل ہوتا۔ آپؐ کے کلام کے الفاظ علیحدہ علیحدہ اور واضح ہوتے۔ اس میں کوئی زائد بات نہ ہوتی اور نہ ہی اس میں کوئی کمی ہوتی تھی۔ نہ تو آپؐ سخت مزاج تھے نہ ہی کمزور اور بے حیثیت۔ آپؐ ہر نعمت کی تعظیم فرماتے خواہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ کسی نعمت کی ذرا بھی مذمت نہ کرتے ہاں کھانے پینے کی چیزوں کی نہ مذمت کرتے نہ تعریفیں کرتے۔ نہ دنیا آپؐ کو غصہ دلاتی نہ ہی جو اس سے متعلق ہے۔ لیکن اگر حق سے تجاوز کیا جاتا یا حق غصب کر لیا جاتا تو پھر آپؐ کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی جب تک آپؐ اس کی دادرسی نہ کروا دیتے۔ اپنی ذات کیلئے کبھی غصے نہ ہوتے اور نہ اس کیلئے بدلہ لیتے۔ جب آپؐ اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے کرتے۔ جب آپؐ تعجب کا اظہار کرتے تو ہاتھ اُلٹا دیتے اور جب آپؐ بات کرتے تو ہاتھ کو اس کے مطابق حرکت دیتے اور دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر لگاتے۔ جب آپؐ ناراض ہوتے تو اعراض کرتے اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ جب خوش ہوتے تو آنکھیں نیچی کر لیتے۔ آپؐ کی زیادہ سے زیادہ ہنسی تبسم کی حد تک ہوتی (یعنی زور کا قہقہہ نہ لگاتے) آپؐ کے دندان مبارک ایسے لگتے جیسے بادل سے گرنے والے اولے ہوتے ہیں۔

جب تم میں سے کوئی نماز میں دعا کرنے لگے تو پہلے اپنے ربّ کی حمد وثناء کرے، پھر نبی کریمؐ پر درود بھیجے

عَنْ فَضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یَدْعُوْ فِیْ صَلٰوتِہٖ لَمْ یُمَجِّدِ اللہَ تَعَالٰی، وَلَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عَجِلَ ھٰذَا ثُمَّ دَعَاہُ فَقَالَ لَہٗ۔ اَوْ لِغَیْرِہٖ۔ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِتَحْمِیْدِ رَبِّہٖ سُبْحَانَہٗ وَالثَّنَآءِ عَلَیْہِ ثُمَّ یُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَآءَ۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الدعا)

حضرت فضالہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سُنا۔ نہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اس نے جلد بازی سے کام لیا ہے اور صحیح طریق سے دعا نہیں کی آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں دعا کرنے لگے تو پہلے اپنے ربّ کی حمد وثنا کرے، پھر نبی کریمؐ پر درود بھیجے اس کے بعد حسبِ منشاء دعا کرے۔

......☆......☆......☆......

آنحضرت ﷺ اپنی پاک باطنی وانشراح صدری وعصمت وحیا وصدق وصفا وتوکل ووفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل واعلیٰ واکمل وارفع واجلیٰ واصفا تھے

ارشادات عالیہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ و السّلام

اعلیٰ درجہ کا یکرنگ صاف باطن نبی

واقعات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جان باز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے۔ کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پروانہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہوگا۔ بلکہ تمام شدتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولیٰ کا حکم بجالائے۔ اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضعاتِ خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکل کر کے کھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں۔ پس ذرہ ایمانداری سے سوچنا چاہئے کہ یہ سب حالات کیسے آنحضرتؐ کے اندرونی صداقت پر دلالت کر رہے ہیں۔ ماسوا اس کے جب عاقل آدمی ان حالات پر اور بھی غور کرے کہ وہ زمانہ کہ جس میں آنحضرت مبعوث ہوئے حقیقت میں ایسا زمانہ تھا کہ جس کی حالت موجودہ ایک بزرگ اور عظیم القدر مصلح ربانی اور ہادیٔ آسمانی کی اشد محتاج تھی اور جو جو تعلیم دی گئی وہ بھی واقعہ میں سچی اور ایسی تھی کہ جس کی نہایت ضرورت تھی۔ اور ان تمام امور کی جامع تھی کہ جس سے تمام ضرورتیں زمانہ کی پوری ہوتی تھیں۔ اور پھر اس تعلیم نے اثر بھی ایسا کر دکھایا کہ لاکھوں دلوں کو حق اور راستی کی طرف کھینچ لائی اور لاکھوں سینوں پر لا الٰہ الا اللّٰہ کا نقش جما دیا اور جو نبوت کی علت غائی ہوتی ہے یعنی تعلیم اصول نجات کے اس کو ایسا کمال تک پہنچایا جو کسی دوسرے نبی کے ہاتھ سے وہ کمال کسی زمانہ میں بہم نہیں پہنچا۔ تو ان واقعات پر نظر ڈالنے سے بلا اختیار یہ شہادت دل سے جوش مار کر نکلے گی کہ آنحضرتؐ ضرور خدا کی طرف سے سچے ہادی ہیں۔ جو شخص تعصب اور ضدیت سے انکاری ہو اس کی مرض تو لا علاج ہے خواہ وہ خدا سے بھی منکر ہو جائے ورنہ یہ سارے آثار صداقت جو آں حضرتؐ میں کامل طور پر جمع ہیں کسی اور نبی میں کوئی ایک تو ثابت کر کے دکھلاوے تا ہم بھی جانیں۔

(براہین احمدیہ، رُوحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 111)

آنحضرت کا سینہ و دل تمام اوّلین و آخرین کے سینہ و دل سے پاک تر و معصوم تر و روشن تر تھا

چونکہ آنحضرت ﷺ اپنی پاک باطنی وانشراح صدری وعصمت وحیا وصدق وصفا وتوکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔

(سرمہ چشم آریہ، رُوحانی خزائن، جلد 2، صفحہ 71، حاشیہ)

آنحضرت ﷺ کی جاودانی زندگی پر ایک بھاری دلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی زندگی پر یہ بھی بڑی ایک بھاری دلیل ہے کہ حضرت ممدوح کا فیض جاودانی جاری ہے اور جو شخص اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ بلاشبہ قبر میں سے اٹھایا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی اس کو بخشی جاتی ہے نہ صرف خیالی طور پر بلکہ آثار صحیحہ صادقہ اس کے ظاہر ہوتے ہیں اور آسمانی مددیں اور سماوی برکتیں اور روح القدس کی خارق عادت تائیدیں اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور وہ تمام دنیا کے انسانوں میں سے ایک متفرد انسان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اپنے اسرار خاصہ اس پر ظاہر کرتا ہے اور اپنے حقائق و معارف کھولتا ہے اور اپنی محبت اور عنایت کے چمکتے ہوئے علامات اس میں نمودار کر دیتا ہے اور اپنی نصرتیں اس پر اتارتا ہے اور اپنی برکات اس میں رکھ دیتا ہے اور اپنی ربوبیت کا آئینہ اس کو بنا دیتا ہے اس کی زبان پر حکمت جاری ہوتی ہے اور اس کے دل سے نکات لطیفہ کے چشمے نکلتے ہیں اور پوشیدہ بھید اس پر آشکار کئے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ایک عظیم الشان تجلی اس پر فرماتا ہے اور اس سے نہایت قریب ہو جاتا ہے اور وہ اپنی استجابت دعاؤں میں اور اپنی قبولیتوں میں اور فتح ابواب معرفت میں اور انکشاف اسرار غیبیہ میں اور نزول برکات میں سب سے اوپر اور سب پر غالب رہتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن، جلد 5، صفحہ 221)

آنحضرت ﷺ کی شانِ ارفع واعلیٰ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجدّد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے۔ اِس فخر میں ہمارے نبی صلعم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلعم کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہی ایک بڑی دلیل آنحضرتؐ کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوئے جب کہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا اور طبعًا ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دنیا سے انتقال فرمایا جب کہ لاکھوں انسان شرک اور بُت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے۔ اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت اُن میں پھونک دی اور سچے خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کر دیا۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جن کے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بار و بر نہ رہی اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کے تاخّر کی وجہ سے ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے اور چونکہ آپ صفاتِ الٰہیہ کے مظہر اتم تھے اس لئے آپ کی شریعت صفاتِ جلالیہ و جمالیہ دونوں کی حامل تھی اور آپ کے دو نام محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اِسی غرض سے ہیں اور آپ کی نبوت عامہ میں کوئی حصہ بخل کا نہیں۔ بلکہ وہ ابتدا سے تمام دنیا کیلئے ہے۔

(لیکچر سیالکوٹ، رُوحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 206)

دنیا کی بقا کیلئے آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلامی تعلیم ہی ہے

دنیا کو اسلام کی خوبصورت تعلیم سے آگاہ کرنے کیلئے ہر احمدی کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے

نبی اکرم ﷺ کے پاکیزہ اُسوہ سے اسلام کی اصل تعلیمات کا بیان
جماعت احمدیہ کو حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا کو اسلام کا اصل چہرہ پیش کرنے کی تلقین

آنحضرت ﷺ کے بے مثال اخلاقِ فاضلہ، عبادتِ الٰہی، نماز باجماعت کی پابندی
توکّل علی اللہ، عاجزی، احسان مندی اور شکر گزاری، امانت اور عہد کی پاسداری، میانہ روی اور حضورؐ کے حسن کا دل نشین بیان

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کامل نبی کی امت میں آنے کا حق ادا کرنے والے ہوں اور اس خوبصورت اور روشن چہرے کو دنیا کے سامنے پیش کر کے دنیا کے اندھیروں کو دُور کرنے والے بنیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین

44ویں جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ جرمنی منعقدہ 5 تا 7/جولائی 2019ء بمقام کارلسروئے کے اختتامی اجلاس سے
سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا معرکہ آرا، بصیرت افروز اور دل نشین خطاب

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ-
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ- الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ- مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ-
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ-
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔ (الاحزاب۔22) یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

غیر مسلم دنیا یا مغربی دنیا یا ترقی یافتہ دنیا میں جو مسلمانوں کے متعلق تحفّظات پائے جاتے ہیں وہ ان کی اسلامی تعلیم کے بارے میں کم علمی کی وجہ سے زیادہ ہیں اور اس پر بعض مسلمانوں کے اسلام کے نام پر شدّت پسند عمل اور دہشت گردی اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے عمل نے مزید ان کے ذہنوں میں راسخ کر دیا ہے کہ اسلام ہے ہی دہشت گردی کا مذہب۔ آج اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے اور اسلامی تعلیم کے بارے میں غلط تاثر کو زائل کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام صادق مسیح موعود اور مہدی معہودؑ کی جماعت کے سپرد کیا ہے۔ پس اس کیلئے ہر احمدی کو بھرپور کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کے لوگ تو پریس اور میڈیا کی خبروں کو سن کر سمجھتے ہیں کہ جو یہ کہہ رہے ہیں یعنی جو پریس کہہ رہا ہے وہی سو فیصد سچ ہے۔ مذہب سے دلچسپی ویسے ہی عمومی طور پر دنیا کی اکثر آبادی کو نہیں ہے۔ پس ان حالات میں بڑی سخت محنت سے اور مسلسل کوشش سے اسلام کی خوبصورت تعلیم کو دنیا کو بتانا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ عام غیر مسلم تو یہی سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ عمل ان کی تعلیم کی وجہ سے ہیں اور بانیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی وجہ سے مسلمانوں کے یہ عمل ہیں۔

پس جیسا کہ میں نے کہا اس اثر کو زائل کرنے اور دنیا کو اسلام کی خوبصورت تعلیم سے آگاہ کرنے کے لیے ہر احمدی کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے قول اور عمل سے دنیا کو بتانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا میں انسان کو پیدا کیا ہے تو اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے حق بھی ادا کرے اور بندوں کے حق بھی ادا کرے۔ جو اللہ کا حق ادا کرنے والے ہوں گے یقیناً بندوں کا حق ادا کرنے والے بھی ہوں گے اور ان حقوق کی ادائیگی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے اپنے پیارے اور محبوب نبی اور مطاع اور انسان کامل کا نمونہ رکھا ہے۔ اور پھر ہمیں یہ کہا کہ یہ کامل نمونہ تمہارا رہنما ہے اسے اپناؤ جو اس کی امت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس اُسوے کے ہر پہلو پر عمل کرنے کی کوشش کرو اور پھر دنیا کو بھی بتاؤ کہ حقیقی اسلام یہ ہے نہ کہ وہ اسلام جو چند دہشت گرد اسلام کے نام پر پیش کرتے ہیں اور جس کو مغربی میڈیا اَور زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے کیسی کیسی خوبصورت مثالیں اپنے اُسوے سے پیش فرمائی ہیں ان کے چند پہلو میں اس وقت پیش کروں گا تا کہ ہم اپنے آپ کو ان نمونوں پر پرکھیں اور اعلیٰ اخلاق کی روشنی میں جو آپؐ نے ہمیں نصیحت فرمائی ہے اس کا عملی زندگی میں جائزہ لیں۔ اسلامی تعلیم کی روشنی میں جو آپؐ نے ہمیں ہدایات دی ہیں ان کا جائزہ لیں، جو نمونے دکھائے ہیں ان کے مطابق اپنے آپ کو دیکھیں۔ جب ہم اسکے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں گے تبھی دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ حقیقت میں اسلام چیز کیا ہے اور دنیا کی بقا کیلئے آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلامی تعلیم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا اصل مقصد تو عبادت قرار دیا ہے۔ ہمارے آقا و مطاعؐ نے ہمیں صرف یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تمہاری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اس لیے عبادت کی طرف ہر مومن کو توجہ کرنی چاہیے اور وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، بلکہ آپ نے اپنی عبادت کے معیار قائم کر کے ہمارے سامنے پیش کیے ہیں جن کی قبولیت کی سند بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (الشعراء:219-220)

یعنی جو دیکھ رہا ہوتا ہے جب تُو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیری بے قراری بھی۔

پس یہ ہے آپؐ کے سجدوں اور عبادت کی حالت کہ بے قراری میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیار کی نظر ڈال کر خاص طور پر آپؐ کی اس عبادت اور بے قراری کا ذکر فرما رہا ہے۔ یہ بے قراری کس لیے تھی، کس کیلئے تھی؟ یہ بے قراری اور دعائیں اپنی امّت کیلئے تھیں۔ یہ بے قراری اور دعائیں انسانیت کیلئے تھیں۔ یہ بے قراری اور دعائیں ان لوگوں کے اپنے مقصدِ پیدائش کے سمجھنے کیلئے تھیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور ہیں کیونکہ یہ دوریاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنا سکتی ہیں اس لیے آپؐ کی اس بے قراری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ بھی فرمایا کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) کیا تُو اپنی جان کو اس لیے ہلاک کر دے گا کہ وہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ تیرا دل اس بات پر بے چین ہے کہ کافر کیوں ہدایت نہیں پاتے، کیوں خدا تعالیٰ پر ایمان لا کر اپنی دنیا و عاقبت نہیں سنوارتے۔ پس جہاں آپؐ کی عبادت کے معیار کا پتہ چلتا ہے

یہاں اِس سے، وہاں اس سے آپؐ کے پاکیزہ دل کی اس کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے جو انسانیت کو تباہی سے بچانے کیلئے آپؐ کے دل میں تھی۔ جو آپؐ کا درد تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ پس جسکے دل میں انسانیت کیلئے درد کی یہ کیفیت ہو وہ کیا کبھی ظلم کرسکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ آپؐ نے تو خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کیلئے درد میں زندگی کا ہر لمحہ قربان کیا۔ آپؐ کی عبادت کی کیفیت کو دیکھنے کا بعض دفعہ صحابہؓ کو بھی موقع مل جاتا تھا۔ ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس وقت شدت گریہ وزاری کے باعث آپؐ کے سینے سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے چکی کے چلنے کی آواز ہوتی ہے۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب البکاء فی الصلوٰۃ، حدیث 904)

یہ دعائیں کیا تھیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنے کی دعائیں تھیں۔ یہ امت کیلئے دعائیں تھیں۔ یہ انسانیت کو تباہی سے بچانے کیلئے دعائیں تھیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے اس وقت بھی انقلاب پیدا کیا اور صدیوں کے مردے زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے حقیقی عابد بن گئے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہی ہیں جنہوں نے قبولیت کا درجہ پاتے ہوئے اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادقؑ کو اس بگڑے ہوئے زمانے میں اسلام کے احیائے نَو کیلئے بھیجا ہے۔ پس آج یہ ہم احمدیوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی عبادتوں کے معیار بلند کریں۔ خدا تعالیٰ کے حضور اس اُسوے پر چلنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ سجدے کریں جو صرف ہمارے ذاتی مقاصد کے لیے نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا میں لہرانے کیلئے ہوں۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بنانے کیلئے ہوں۔ انسانیت کو اپنے پیدا کرنے والے خدا کے قریب لانے کیلئے ہوں۔ دنیا کو تباہی سے بچانے کیلئے ہوں۔

فرض اور باجماعت نمازوں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر اہتمام بلکہ بعض حالات میں کہنا چاہیے مشقت فرماتے تھے اِس کا اس ایک واقعے سے خوب اندازہ ہوسکتا ہے۔ غزوۂ اُحد کی شام جب لوہے کے خود کی کڑیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے رخسار میں ٹوٹ گئیں تو اس کی وجہ سے آپؐ کا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ آپؐ زخموں سے نڈھال تھے۔ علاوہ ازیں ستّر صحابہ کی شہادت کا زخم اس سے کہیں زیادہ اعصاب شکن تھا۔ اس روز بھی آپؐ اذان کی آواز پر اسی طرح نماز فجر کیلئے تشریف لائے، جس طرح عام دنوں میں تشریف لاتے تھے۔

(ماخوذ از اسوۂ انسان کامل، صفحہ 84)

اور آپؐ کا یہی عمل تھا جس نے صحابہؓ میں بھی عبادتوں کے معیار قائم کرکے دکھائے۔

پس آج ہم میں سے ہر ایک کو اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا جب ہم یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ اب مسیح موعودؑ کی جماعت کے ذریعہ سے اسلام کا احیائے نَو ہونا ہے، ہم ہیں جنہوں نے اسلام کی تعلیم کو دوبارہ زندہ کرنا ہے، کیا ہماری عبادتوں اور باجماعت نمازوں کے معیار اس کے قریب بھی ہیں؟ ذرا سی تکلیف پر مسجد نہ آنے کے بہانے ہوتے ہیں۔ صبح اٹھ کر دو چھینکیں آجائیں تو کہہ دیتے ہیں کہ آج طبیعت خراب ہے نماز گھر میں پڑھ لو۔ سستیاں تو کوشش کرنے سے دور ہوتی ہیں۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم بھی اپنی عبادتوں کے معیار بلند کرنے کی کوشش کریں۔ یہ وہ دعائیں ہی ہیں جو دنیا میں انقلاب کا اس زمانے میں ذریعہ بنیں گی۔ ہماری تبلیغ بغیر دعاؤں کے بے نتیجہ ہے۔ ہماری علمی کاوشیں بغیر دعاؤں کے بے نتیجہ ہیں۔ پس اگر دنیا کو حقیقی اسلام سکھانا ہے تو سب سے پہلے ہمیں خدا تعالیٰ سے اس معیار کا تعلق جوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوے کی پیروی میں چلتے ہوئے قائم کیے تھے اور جس کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح کھینچا ہے فرماتے ہیں کہ ”موٹی سی بات ہے کہ قرآن مجید نے انکی پہلی حالت کا تو یہ نقشہ کھینچا ہے یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ“ (محمد:13) یعنی وہ اس طرح کھاتے ہیں جس طرح جانور کھا رہے ہیں۔ ”یہ تو ان کی کفر کی حالت تھی۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات نے ان میں تبدیلی پیدا کی تو ان کی یہ حالت ہوگئی۔ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا (الفرقان:65) یعنی وہ اپنے ربّ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے ہیں۔“ (ملفوظات، جلد 9، صفحہ 145)

پس یہ وہ حالت ہے جو ہمیں بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ یہ کہ فجر کی نماز کے وقت بھی اٹھنے میں سستی دکھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور آخری پیغام جبکہ آپؐ جان کنی کی حالت میں تھے اور سانس اُکھڑ رہا تھا یہ تھا کہ نماز اور غلام کے حقوق کا خیال رکھنا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب وھل اوصی رسول اللہ، حدیث 2698)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے اور مخلوق کا حق ادا کرنے کی آپؐ کی کیفیت اور یہ وہ آخری نصیحت ہے جس کو ایک مومن کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے اور یہی ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کا مقصد ہے جسے ہمیں ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے نہ کہ سستیوں اور دنیاوی مصروفیات میں ڈوب کر اپنی زندگی کے مقصد کو بھی بھول جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ پر توکّل کی حالت ہے تو اس بارے میں بھی آپؐ کے نمونے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (النساء:82) یعنی اور اللہ پر توکل کر اور اللہ ہی کارساز کے طور پر کافی ہے۔ تو پھر آپؐ کی زندگی میں ہر موقعے پر یہ نمونے ہمیں نظر آتے ہیں بلکہ مرض الموت کے وقت بھی آپؐ کو اس چیز کی فکر تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی حالت میں مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاؤں جس میں ذرا سا بھی اللہ تعالیٰ پر توکّل نہ کرنے کا شبہ پیدا ہوسکتا ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس آپؐ نے سات یا آٹھ دینار رکھوائے۔ آخری بیماری میں فرمایا کہ عائشہؓ! وہ سونا جو تمہارے پاس تھا کیا ہوا؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں مَیں نے عرض کیا کہ وہ میرے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عائشہ وہ صدقہ کردو۔ پھر حضرت عائشہؓ کسی کام میں مصروف ہوگئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب دوبارہ ہوش آئی تو پوچھا کہ وہ صدقہ کردیا؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ ابھی نہیں کیا۔ آپؐ نے ان کو بھیجا کہ جاؤ ابھی جاؤ اور میرے پاس لے کے آؤ۔ آپؐ نے وہ دینار منگوا کر اپنے ہاتھ پر رکھ کر گنے اور پھر فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے ربّ پر کیا توکل ہوا اگر خدا سے ملاقات اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ دینار اس کے پاس ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار صدقہ کردیئے۔ (الطبقات الکبریٰ، جلد 2، صفحہ 183، ذکر الدنانیر التی قسمھا رسول اللہؐ فی مرضہ الذی مات فیہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1990ء)

لیکن دوسروں کو آپؐ نے یہ نصیحت فرمائی کہ مَیں تو اللہ تعالیٰ کا نبی اور محبوب ہوں یہ میرے ساتھ سلوک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تم توکّل بھی کرو لیکن اپنی اولاد کو فقر اور ابتلا سے بچانے کیلئے ان کیلئے اگر تمہارے پاس کوئی جائداد ہے یا کوئی رقم ہے تو چھوڑ کر جاؤ۔ 1/3 حصہ سے زیادہ کی وصیت کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترک ورثتہ اغنیاء خیر من ان یتکففوا الناس، حدیث 2742)

اور اللہ تعالیٰ نے اس لیے قرآن کریم میں وراثت کا طریق بھی تفصیل سے بتادیا لیکن ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ابنِ آدم کے دل کی ہر وادی میں ایک گھاٹی ہوتی ہے، ہر انسان کے دل میں ایک گھاٹی ہے، ایک وادی ہے اور جس کا دل ان سب گھاٹیوں کے پیچھے لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا کہ کون سی وادی اس کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے تو اللہ اسے ان سب گھاٹیوں سے بچالیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوکل والیقین، حدیث 4166)

پس اسلام دنیا کے کاموں کی بھی اجازت دیتا ہے لیکن رات دن صرف جائدادیں بنانے اور دنیا کے کاموں میں مبتلا رہنے سے منع کرتا ہے اور بنیادی چیز جس کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس پر توکّل ہے اور جب یہ ہو تو دنیاوی مشکلات سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اگر تم اللہ پر توکّل کرو جس طرح کہ اس پر توکّل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں ضرور اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندے کو دیتا ہے۔ جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوکل والیقین، حدیث 4164)

پس یہ بات ہمیں اس طرف ہمیشہ توجہ دلانے والی ہونی چاہیے کہ رزق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی آتا ہے اور اسکے حصول کیلئے ہمیں اپنی عبادتوں کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ کام ضرور ہوں لیکن اصل توکّل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو اور کام کیلئے عبادتیں قربان نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توکّل کے بارے میں ایک جگہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ”واقعات حضرت

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کیلئے جان باز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکّل کرنے والے تھے۔ کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی۔ اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہوگا۔ بلکہ تمام شدتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولیٰ کا حکم بجالائے۔ اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضعاتِ خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکّل کر کے کُھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں۔'' (براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 111-112)

پھر اعلیٰ اخلاق کا ایک وصف شکر گزاری ہے۔ اس وصف کے اعلیٰ معیار کا ہمارے آقا و مطاع کا نمونہ اور اسوہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت اس بات کی تلاش رہتی تھی کہ کس طرح شکر گزار بنیں۔ خدا تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ بنیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے اس مقصد کیلئے آپؐ دعا کیا کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! تُو مجھے اپنا شکر بجالانے والا اور بکثرت ذکر کرنے والا بنادے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، باب مایقول الرجل اذا سلم، حدیث 1510)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنادے کہ میں تیرا سب سے زیادہ شکر کرنے والا ہوں اور تیری نصیحت کی پیروی کرنے والا ہوں اور تیری وصیت کو یاد کرنے والا ہوں۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 216، حدیث 8087، مسند ابی ھریرہ، مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

کیا ہی عاجزی کا مقام ہے! دنیا کا سب سے زیادہ شکر گزار یہ دعا کر رہا ہے کہ میں سب سے زیادہ شکر گزار بنوں۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روٹی کے ٹکڑے پر کھجور رکھ کر کھا رہے تھے اور فرماتے تھے یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے اور اس پر شکر گزاری فرما رہے تھے۔
(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی التمر، حدیث 3830)

اکثر یہ ہوتا کہ سرکے سے یا پانی سے ہی روٹی تناول فرماتے اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہوتے۔ (صحیح الاثر وجمیل العبر من سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 254، مکتبۃ روائع المملکۃ، جدہ 2010ء از الشاملہ)

آج کل ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو اعلیٰ کھانا بھی میسر آتا ہے اور پھر بھی ہزار نخرے ہوتے ہیں۔ گھروں میں بعض ناچاقیاں اسی وجہ سے پیدا ہو رہی ہوتی ہیں کہ بیوی نے اچھا کھانا نہیں پکایا۔

پھر فتح مکّہ پر آپؐ کی عاجزی اور شکر گزاری کی مثال ایک انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ روایت میں آتا ہے جب آپؐ ذی الطویٰ مقام پر پہنچے تو سرخ یمنی کپڑے کا عمامہ باندھے ہوئے اپنی سواری پر ٹھہر گئے اور یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح دے کر کس قدر عزت افزائی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجزی اور شکر گزاری سے اپنا سر اس قدر جھکایا کہ یوں لگتا تھا کہ آپؐ کی ریش مبارک سواری کے کجاوے سے چھو جائے گی۔ (سیرت ابن ہشام، صفحہ 546، ذکر الاسباب الموجبۃ المسیر الیٰ مکۃ وذکر فتح مکۃ ...... مطبوعہ دار ابن حزم بیروت 2009ء)

پھر آپؐ کی احسان مندی اور شکر گزاری کی ایک اعلیٰ مثال یوں ملتی ہے کہ جب مکے کے مسلمانوں پر کفّار کی طرف سے ظلم کیے گئے اور مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور شاہ حبشہ نے انہیں پناہ دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا۔ چنانچہ جب نجاشی کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے استقبال کیلئے خود کھڑے ہوئے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! ان کے استقبال کیلئے ہم کافی ہیں کہ ان کی مہمان نوازی بھی ہم کریں گے استقبال بھی کرلیں گے آپؐ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے ساتھ بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آئے تھے اور عزت سے انہیں اپنے پاس رکھا تھا اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ ان کے اس احسان کا بدلہ خود اتاروں۔ (السیرۃ الحلبیۃ، جلد 3، صفحہ 72، باب ذکر مغازیہ غزوۃ خیبر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2002ء)

پس یہ ان لوگوں کیلئے بھی سبق ہے جو یہاں ہجرت کر کے آئے ہیں کہ ان حکومتوں نے جنہوں نے ہمیں یہاں پناہ دے کر ہمارے لیے سہولتیں مہیا کی ہیں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان ملکوں کی بہتری کیلئے اپنی صلاحیتیں استعمال کریں اور انہیں اسلام کی خوبصورت تعلیم نہ صرف علمی طور پر بلکہ عملی طور پر بھی دکھا کر بتائیں کہ کیا حقیقی اسلام ہے اور یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ کسی بھی طرح نقصان نہیں ہم نے پہنچانا یا ان سے غلط طریق سے مالی منفعت حاصل نہیں کرنی، کوئی سہولت حاصل نہیں کرنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو ہمیں دین ملا اور جس طرح ہمیں ہر خلق کی گہرائی اور اسکے اعلیٰ معیار کا علم ہوا اس پر شکر گزاری کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ''یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ اس نے کامل اور مکمل عقائد کی راہ ہم کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بدوں مشقت و محنت کے دکھائی ہے۔'' بغیر کسی مشقت اور محنت کے ہمیں وہ سیدھا راستہ دکھا دیا ''وہ راہ جو آپ لوگوں کو اس زمانہ میں دکھائی گئی ہے بہت سے عالم ابھی تک اس سے محروم ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے اِس فضل اور نعمت کا شکر کرو۔ اور وہ شکر یہی ہے کہ سچے دل سے ان اعمالِ صالحہ کو بجالاؤ جو عقائدِ صحیحہ کے بعد دوسرے حصہ میں آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے مدد لے کر دعا مانگو کہ وہ ان عقائد صحیحہ پر ثابت قدم رکھے اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔'' (ملفوظات، جلد 1، صفحہ 149-150)

پس یہ ہے ایک احمدی کے حقیقی شکر گزار ہونے کا طریق۔

پھر ایک خلق امانت کی ادائیگی ہے اور عہد کی پابندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون: 9)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہم انہیں پورا کر رہے ہیں۔ اس کے اعلیٰ ترین معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح قائم فرما کر ہمارے سامنے اپنا اسوہ پیش فرمایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب اسلامی فوجوں نے خیبر کو گھیرا تو اس وقت وہاں کے ایک یہودی سردار کا ملازم جو جانور چرانے والا تھا جانوروں سمیت اسلامی لشکر کے علاقے میں آگیا اور مسلمان ہوگیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! میں تو اب مسلمان ہوگیا ہوں میں واپس بالکل جانا نہیں چاہتا۔ واپس جاؤں گا تو میرے پہ ظلم بھی ہوگا۔ یہ بکریاں میرے پاس ہیں ان کا اب میں کیا کروں۔ یہ یہودی کا ریوڑ ہے، ان کا مالک یہودی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بکریوں کا منہ قلعے کی طرف پھیر کر ہانک دو وہ خود اسکے مالک کے پاس پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا اور قلعے والوں نے وہ بکریاں لے لیں۔
(سیرت ابن ہشام، صفحہ 517، ذکر المسیر الیٰ خیبر، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت 2009ء)

یہ ہے وہ اعلیٰ ترین مثال امانت اور دیانت کی کہ جنگ کی صورت ہے، دشمن کا مال ہاتھ آیا ہے لیکن مسلمان ہونے والے کو پہلا سبق آپؐ نے یہ دیا کہ ایک مسلمان کا امانت اور دیانت کا معیار بہت بلند ہونا چاہیے۔ اس مال پر نہ تمہارا کوئی حق ہے نہ ہمارا۔ اسے اس کے مالکوں کو لوٹا دو۔ آج کل کے اس ترقی یافتہ معاشرے میں جنگ کی صورت میں کہیں بھی دنیا میں آپ کو یہ معیار نظر نہیں آئیں گے۔ جو اسلام پر اور اسلام کی تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں وہی سب سے زیادہ اس خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پھر عہد کی پابندی کا حال ہے کہ دشمن بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ آپؐ عہد کے پابند ہیں۔ ہرقل کے دربار میں ابوسفیان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ آج تک اس شخص نے ہمارے ساتھ بدعہدی نہیں کی۔
(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب کتب النبیؐ الیٰ ھرقل ملک الشام...... حدیث 1773)

پھر صلح حدیبیہ میں جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو ایک شخص زنجیروں میں جکڑا ہوا آتا ہے جو مسلمان ہونے کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑا گیا ہے اور پناہ طلب کرتا ہے لیکن اس کا باپ جو مسلمان نہیں ہے وہاں موجود ہے۔ وہ آپؐ سے کہتا ہے کہ اب ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہمارا کوئی آدمی آپؐ کے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس لیے آپؐ اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے چاہے وہ آپؐ کی پناہ میں آنے کیلئے بھیک مانگ رہا ہے۔ وہ شخص بہتیرا شور مچاتا ہے کہ کیا میں کافروں میں واپس کر دیا جاؤں گا تاکہ وہ مجھے تکلیفیں پہنچائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ہاں اب معاہدہ

ہو گیا ہے حالانکہ اس وقت معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا، کچھ شرائط لکھی گئی تھیں لیکن دستخط ہونے سے پہلے ہی آپؐ نے فرمایا کیونکہ لکھا گیا ہے اس لیے بڑے مقصد کی خاطر اور اس معاہدے کی خاطر تمہیں قربان ہونا پڑے گا۔ اس لیے تم واپس جاؤ۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تم چند روز صبر کرو میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس معاہدے کی وجہ سے آج میں مجبور ہوں کیونکہ ہم بدعہدی نہیں کرتے۔ (سیرت ابن ہشام، صفحہ 504، امر الھدنۃ امر ابی جندل ابن سھیل بن عمرو، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت 2009ء)

تو یہ معیار تھے آپؐ کے معاہدوں کی پابندی کے۔ آج کل کی دنیا دار حکومتیں تو اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ آج ایک معاہدہ ہوتا ہے اور کل وہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں بھی اپنے جائزے لینے چاہئیں کہ ہمارے اپنے معاہدوں کی پابندی کے معیار کیا ہیں۔ اپنی روزمرہ زندگی میں ہمیں اپنی مثالیں دیکھنی چاہئیں۔ اپنی گھریلو زندگی میں بھی اس کی مثال دیکھیں کہ کیا عہدوں کی پابندی ہم کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو گھریلو زندگی میں بھی عہد کی پابندی کے متعلق فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے بڑی خیانت یہ شمار ہوگی کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے تعلق قائم کرے پھر وہ بیوی کے پوشیدہ راز بھی دنیا کو بیان کرتا پھرے۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سر المراۃ، حدیث 1437)

آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ یہ گھٹیا حرکت کرتے ہیں۔ نہایت ذلیل اور کمینی حرکت کرتے ہیں اور پھر صرف زبانی ہی نہیں بتاتے لوگوں کو بلکہ وٹس ایپ پر اور دوسرے میڈیا پر جو آج کل میسجز کے ذریعہ سے، ٹویٹر کے ذریعہ سے اس بات کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ یقیناً سب سے بڑے خائن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر علیحدگیاں بھی ہو جاتی ہیں تو تب بھی کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ایک دوسرے کا راز باہر نکالے۔ یہ بہت بڑی خیانت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور پوچھے گا۔

پس ایسے لوگوں کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ عہد کی پابندی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کیے جائیں گے۔ ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا۔ وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 19-20)

پس اگر خدا تعالیٰ سے خالص تعلق جڑے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بھی پابندی ہوگی اور گھریلو عہدوں سے لے کر باہر کے معاشرے کے عہدوں تک یہ پابندیاں ہوں گی اور دوسرے تعلقات کو نبھانے میں بھی یہ پابندیاں ہوں گی۔ کاروباری معاہدوں اور عہدوں میں بھی یہ پابندیاں ہوں گی۔ ہر قسم کے عہدوں کی خدا تعالیٰ کی رضا کو سامنے رکھتے ہوئے پابندی سے ہر قسم کے نقصان سے پھر ایسے لوگ بچنے والے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہم عہدوں کی پابندی کر رہے ہیں اور یہی ایک حقیقی احمدی کا طریق اور حقیقی مسلمان کا طریق ہونا چاہیے۔

پھر عاجزی ایک بہت بڑا خلق ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا (الفرقان:64)

اور رحمان کے سچے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ لڑتے نہیں کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں ایک طرف ہو جاتے ہیں، فضول باتیں نہیں کرتے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا اسوہ کیا تھا؟ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری بہت زیادہ تعریف نہ کرو جس طرح عیسائی ابن مریمؑ کی کرتے ہیں۔ میں صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ پس تم مجھے صرف اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔

(صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم ...... حدیث 3445)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا کہ ”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کسی کامل انسان کا نمونہ موجود نہیں اور نہ آئندہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ پھر دیکھو کہ اقتداری معجزات کے ملنے پر بھی حضورؐ کے شامل حال ہمیشہ عبودیت ہی رہی اور بار بار

اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ (الکہف:111)

ہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ کلمہ توحید میں اپنی عبودیت کے اقرار کا ایک جزو لازم قرار دیا۔ جس کے بدوں مسلمان مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ سوچو! اور پھر سوچو!! پس جس حال میں ہادیٔ اکمل کی طرز زندگی ہم کو یہ سبق دے رہی ہے کہ اعلیٰ ترین مقام قرب پر بھی پہنچ کر عبودیت کے اعتراف کو ہاتھ سے نہیں دیا تو اور کسی کا تو ایسا خیال کرنا اور ایسی باتوں کا دل میں لانا ہی فضول اور عبث ہے۔“ (ملفوظات، جلد 1، صفحہ 117-118)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر فرمایا کہ تم لوگ اپنے جھگڑے لے کر میرے پاس آتے ہو اور میں بھی ایک بشر ہوں اور ہو سکتا ہے تم میں سے ایک اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز ہو اور میں جو سنوں اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں جو زیادہ باتیں کرنے والا ہے، زیادہ دلیلیں پیش کرنے والا ہے۔ پس جس کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں، ان دلیلوں کی وجہ سے دے دوں اور اس کا حق نہ ہو، حق اس کے بھائی کا بنتا ہو اور میں اس کے بھائی کے حق میں سے اسے کچھ دے دوں تو وہ اس کو نہ لے۔ ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ باوجود فیصلے کے نہ لے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الشہادات، باب من اقام البینۃ بعد الیمین، حدیث 2680)

اپنے حق میں فیصلہ تو کرا لو گے لیکن وہ آگ کا ٹکڑا ہو گا بہتر یہی ہے کہ اس آگ کے ٹکڑے سے بچو، جہنم کی آگ سے بچو اور صاف صاف کہہ دو کہ نہیں میرا حق نہیں۔ حق کسی کا بنتا ہے۔

پس جو لوگ غلط فیصلے کروانے کی کوشش کرتے ہیں ان کیلئے بڑا خوف کا مقام ہے۔ گھریلو زندگی میں بھی آپؐ کی عاجزی اور گھر والوں کی مدد کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھریلو کام میں مدد فرماتے تھے۔ آپؐ کپڑے خود دھو لیتے تھے، گھر میں جھاڑو بھی دے لیا کرتے تھے۔ خود اونٹ کو باندھتے تھے، پانی لانے والے جانوروں کو خود چارہ ڈالتے تھے، بکری خود دوہتے تھے، اپنے ذاتی کام بھی خود کر لیتے تھے۔ خادم سے کوئی کام لیتے تو اس میں اس کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے حتیٰ کہ اس کے ساتھ مل کر آٹا بھی گوندھ لیتے تھے۔ بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صفحہ 176، حدیث 271، 272، 273، باب الثانی فصل فی تواضعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مطبوعہ جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم 2013ء) (وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 1، صفحہ 241، دار المنہاج جدہ 1425ھ، از الشاملہ)

آج کل گھروں میں بعض مرد بڑا تکبر دکھاتے ہیں۔ کپڑے وقت پر نہ دھلیں تو گھر میں فساد کھڑا ہو جاتا ہے حالانکہ اب تو ہاتھ سے نہیں دھونے، واشنگ مشین گھر میں موجود ہے، خود بھی وہ واشنگ مشین میں کپڑے ڈال سکتے ہیں لیکن پھر بھی اتنی بھی تکلیف نہیں کرنی۔ جھاڑو تو پھیرنا اب رہا نہیں ہر جگہ hoover ہیں، آرام سے hoover پھیرا جا سکتا ہے لیکن وہاں بھی نخرے ہوتے ہیں اور اس وجہ سے گھروں میں فساد ہو رہا ہوتا ہے۔ پس احمدی ہو کر ہمیں اپنے نمونے دکھانے چاہئیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باہر کی زندگی دیکھیں تو اس میں بھی آپؐ کے اعلیٰ نمونے ایک مثال ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ”متکبر خدا تعالیٰ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ پس اس قبیح خصلت سے ہمیشہ پناہ مانگو۔ خدا تعالیٰ کے تمام وعدے بھی خواہ تمہارے ساتھ ہوں مگر تم جب بھی فروتنی کرو۔ کیونکہ فروتنی کرنے والا ہی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابیاں اگرچہ ایسی تھیں کہ تمام انبیائے سابقین میں اس کی نظیر نہیں ملتی مگر آپؐ کو خدا تعالیٰ نے جیسی جیسی کامیابیاں عطا کیں آپ اتنی ہی فروتنی اختیار کرتے گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپؐ کے حضور پکڑ کر لایا گیا۔ آپؐ نے دیکھا تو وہ بہت کانپتا تھا اور خوف کھاتا تھا مگر جب وہ قریب آیا تو آپ نے نہایت نرمی اور لطف سے دریافت فرمایا کہ تم ایسے ڈرتے کیوں ہو؟ آخر میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں اور ایک بڑھیا کا فرزند ہوں۔“

(ملفوظات، جلد 10، صفحہ 258)

پھر ایک موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور انکساری کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”خالی شیخیوں سے اور بے جا تکبّر اور بڑائی سے

پرہیز کرنا چاہیے اور انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقتاً سب سے بڑے اور مستحق بزرگی تھے ان کے انکسار اور تواضع کا ایک نمونہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ لکھا ہے کہ ایک اندھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن آپؐ کے پاس عمائدِ مکہ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور آپؐ ان سے گفتگو میں مشغول تھے۔ باتوں میں مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جانے سے وہ نابینا اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سورت نازل فرمادی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں گئے اور اسے ساتھ لاکر اپنی چادر مبارک بچھا کر بٹھایا۔''

آپؑ فرماتے ہیں کہ ''اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں عظمت الٰہی ہوتی ہے ان کو لازماً خاکسار اور متواضع بننا ہی پڑتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے ہیں: آنانکہ عارف تراند ترساں تر'' کہ وہ لوگ جو زیادہ جانتے ہیں زیادہ ڈرتے ہیں'' کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے۔ اگر کسی حرکت سے ناراض ہو جاوے تو دم بھر میں سب کارخانہ ختم ہے۔ پس چاہیے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان کو یاد رکھو اور عمل کرو۔'' (ملفوظات، جلد 10 صفحہ 343-344)

آنحضرت صلی اللہ علیہ ؤالہ وسلم نے تو ہمیں جو نصیحت فرمائی وہ یقیناً ہمیشہ ہمارے لیے عمل کیلئے ہے اور جو نصیحتیں ہیں آپؐ کی وہ یقیناً ہمیں فکر میں ڈالنے والی ہونی چاہئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ ؤالہ وسلم! آپؐ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پاؤں گا لیکن اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں لے لے گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا پس تم سیدھے رہو اور شریعت کے قریب رہو اور صبح اور شام اور رات کے اوقات میں عبادت کرو اور میانہ روی اختیار کرو۔ تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ عبادت کرو اور درمیان کا رستہ اختیار کرو۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 3 صفحہ 753، حدیث 10688، مسند ابو ھریرہ مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

میانہ روی ہر معاملے میں ضروری ہے۔ دنیاداری میں نہ پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیاداری کا جائز اختیار دیا ہے لیکن میانہ روی ہونی چاہیے۔ خدا نہ بھول جائے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حق ادا کرنے ہیں وہاں اس کی طرف توجہ کرو۔ جو کاروبار ہے اس کی طرف توجہ کرو اور اس کے جو حق ہیں وہ ادا کرنے کی کوشش کرو لیکن دنیاداری خدا تعالیٰ کے حق کے مقابلے پہ نہیں ہونی چاہیے۔ دین دنیا پر ہمیشہ مقدم ہونا چاہیے۔ جب یہ ہوگا تو آپؐ نے فرمایا تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا رحم تمہیں مل جائے گا، فضل مل جائے گا۔ پس جہاں اس بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کا بھی اظہار ہو رہا ہے اور فرمایا کہ جب میرا یہ حال ہے تو تم لوگوں کو کس قدر خدا تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا رحم مانگنے کی فکر کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعاموں کا وارث بناتا ہے اور ہمیں یہ نہیں پتہ کہ کس ذریعہ سے قبول کیے جائیں گے اس لیے اس رحم اور فضل کو حاصل کرنے کیلئے اپنی عبادتوں اور اعلیٰ اخلاق کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہیے۔

ظاہری حالت بھی اور انسان کے چہرے کے تاثرات بھی اس کے اخلاق کی عکاسی کرتے ہیں اس بارے میں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کس طرح بیان کرتے ہیں۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش اخلاق تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی حدیث 3549)

لوگ خوش شکل ہوں تو تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے خدا! جس طرح تو نے مجھے خوش شکل بنایا ہے اسی طرح خوب سیرت بھی بنا دے۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 8 صفحہ 288، حدیث 25736، مسند عائشہ مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

یہ زندگی کے چند پہلو ہیں جو میں نے ابھی بیان کیے ہیں جن سے آپؐ کی سیرت کی خوبصورتی روشن ہو کر نظر آتی ہے لیکن عاجزی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ میری سیرت میرے اخلاق میرے عبادت کے معیار ہمیشہ ایسے ہوں جو تجھے اور تیری مخلوق کو پسند ہوں۔

پھر ایک اور صحابی گواہی دیتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کا چہرہ متبسم نہیں دیکھا اور مسکرانے والا نہیں دیکھا۔

(سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ما رایت احدا اکثر تبسما، حدیث 3641)

اُم معبدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں یوں بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے دیکھنے میں لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی شیریں زبان اور عمدہ اخلاق والے تھے۔ (مستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد 3، صفحہ 10-11، کتاب الھجرۃ، حدیث 4274، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ سینہ تھے اور گفتگو میں لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے اور ان میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور معاشرت و حسن معاملگی میں سب سے زیادہ معزز تھے اور محترم تھے۔

(سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب وصف آخر من علی، حدیث 3638)

آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی بے شمار مثالیں اور اخلاق کے بے شمار مثالیں ہیں۔ آپؐ کے اخلاق کے کسی پہلو کو بھی لے لو وہ آپؐ میں کامل اور مکمل نظر آتا ہے اور یہی اسوہ ہے جسے اپنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ پس اگر ہم نے دنیا کو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چہرہ دکھلانا ہے تو آپؐ کے اُسوے کے ہر پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے عمل اور قول سے وہ چہرہ دکھانا ہوگا تبھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے کا بھی حق ادا کر سکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کے لیے اس زمانے میں بھیجا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ آنحضرت ﷺ کا اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ہاں جو اخلاق فاضلہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ تمام ان اخلاق فاضلہ کا جامع ہے جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے اور نیز آنحضرت ﷺ کے حق میں فرمایا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: 5) تو خُلق عظیم پر ہے اور عظیم کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورہ میں اس چیز کے انتہائے کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ یہ درخت عظیم ہے تو اس سے یہ مطلب ہوگا کہ جہاں تک درختوں کیلئے طول و عرض اور تناوری ممکن ہے وہ سب اس درخت میں حاصل ہے۔ ایسا ہی اس آیت کا مفہوم ہے کہ جہاں تک اخلاق فاضلہ و شمائل حسنہ نفس انسانی کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ تمام اخلاق کاملہ تامہ نفس محمدی میں موجود ہیں۔ سو یہ تعریف ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔'' (براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن، جلد 1 صفحہ 606، حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

پھر آپؑ فرماتے ہیں ''وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُرزور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا...... وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اے پیارے خدا! اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبی دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے جیسا کہ یونس اور ایوب اور مسیح بن مریم اور ملاکی اور یحییٰ اور زکریا وغیرہ وغیرہ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقرب اور وجیہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔ یہ اُسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔'' (اتمام الحجۃ، روحانی خزائن، جلد 8 صفحہ 308)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کامل نبی کی امت میں آنے کا حق ادا کرنے والے ہوں اور اس خوبصورت اور روشن چہرے کو دنیا کے سامنے پیش کر کے دنیا کے اندھیروں کو دور کرنے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اب دعا کر لیں۔

☆☆☆ دعا ☆☆☆

(بشکریہ اخبار الفضل انٹرنیشنل 13 اگست 2019)

اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے پناہ عشق

منظوم کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں
وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

آج ان نوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے

مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

موردِ قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کے ہم
جب سے عشق اس کا تہِ دل میں بٹھایا ہم نے

کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ
اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بہ حجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

نور دکھلا کے تیرا سب کو کیا ملزم و خوار
سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

نقشِ ہستی تری الفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرّہ تری رہ میں اڑایا ہم نے

تیرا میخانہ جو اِک مرجعِ عالم دیکھا
خُم کا خُم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے
تیرے پانے سے ہی اُس ذات کو پایا ہم نے

چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے

دلبرا مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے

دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے

ہم ہوئے خیرِ امم تجھ سے ہی اے خیرِ رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج
شور محشر ترے کوچہ میں مچایا ہم نے

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5)

★★★

نُور لائے آسماں سے

پاکیزہ منظوم کلام سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

دیکھ سکتا ہی نہیں مَیں ضُعفِ دینِ مصطفیٰ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

وہ خدا جس نے نبیؐ کو تھا زرِ خالص دیا
زیورِ دیں کو بناتا ہے وہ اب مثلِ سنار

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبیؐ کامل نہیں
وحشیوں میں دیں کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار

پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اِک معجزہ
معنیٔ رازِ نبوّت ہے اِسی سے آشکار

نُور لائے آسماں سے خود بھی وہ اِک نُور تھے
قومِ وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

روشنی میں مہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو
گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنگ بار

دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلینؐ

پاکیزہ منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیںؐ

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے

دے چُکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فِدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

سخت شور اُوفتاد اندر زمیں
رحم کُن بَر خَلق اے جاں آفریں

کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے اے ربّ الوریٰ

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد 3، صفحہ 513)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات عالیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

ایک سراج منیر فاران کی چوٹیوں پر چمکا

جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو تاریکی اور گمراہی میں مبتلا پایا اور ہر طرف سے ضلالت اور ظلمت کی گھنگھور گھٹا دنیا پر چھا گئی اس وقت اس تاریکی کو دور کرنے اور ضلالت کو ہدایت اور سعادت سے تبدیل کرنے کیلئے ایک سراج منیر فاران کی چوٹیوں پر چمکا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

(ملفوظات، جلد اوّل، صفحہ 83، ایڈیشن 2018، قادیان)

آنحضرتؐ کی تائید ونصرت کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورۃ بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر اور مرتبہ ظاہر کیا ہے اور وہ سورۃ ہے اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (الفیل: 2) یہ سورۃ اس حالت کی ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مصائب اور دُکھ اُٹھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت میں آپؐ کو تسلی دیتا ہے کہ مَیں تیرا مؤید وناصر ہوں۔

اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی اُن کا مکر اُلٹا کر اُن پر ہی مارا اور چھوٹے چھوٹے جانور اُن کے مارنے کیلئے بھیج دیئے۔ ان جانوروں کے ہاتھوں میں کوئی بندوقیں نہ تھیں بلکہ مٹی تھی۔ سجیل بھیگی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ قرار دیا ہے اور اصحاب الفیل کے واقعہ کو پیش کر کے آپؐ کی کامیابی اور تائید اور نصرت کی پیشگوئی کی ہے۔

یعنی آپ کی ساری کارروائی کو برباد کرنے کیلئے جو سامان کرتے ہیں اور جو تدابیر عمل میں لاتے ہیں ان کے تباہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ انکی ہی تدبیروں کو اور کوششوں کو اُلٹا کر دیتا ہے۔ کسی بڑے سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے ہاتھی والوں کو چڑیوں نے تباہ کر دیا ایسا ہی یہ پیشگوئی قیامت تک جائے گی۔ جب کبھی کوئی اصحاب الفیل پیدا ہو گا تب ہی اللہ تعالیٰ اُن کے تباہ کرنے کیلئے ان کی کوششوں کو خاک میں ملا دینے کے سامان کر دیتا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 159)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض

فرمایا: یاد رکھو کہ کتابِ مجید کے بھیجنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ تا دنیا پر عظیم الشان رحمت کا نمونہ دکھاوے۔ جیسے فرمایا مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء: 108) اور ایسا ہی قرآن مجید کے بھیجنے کی غرض بتائی کہ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (البقرۃ: 3) یہ ایسی عظیم الشان اغراض ہیں کہ اُنکی نظیر نہیں پائی جاسکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جیسے تمام کمالاتِ متفرقہ جو انبیاء علیہم السلام میں تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں جمع کر دیئے۔ اور تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے، وہ قرآن شریف میں جمع کر دیئے۔ اور ایسا ہی جس قدر کمالات تمام اُمتوں میں تھے وہ اس اُمت میں جمع کر دیئے۔ پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ان کمالات کو پالیں اور یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیے کہ جیسے وہ عظیم الشان کمالات ہم کو دینا چاہتا ہے، اُسی کی موافق اس نے ہمیں قویٰ بھی عطا کیے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے موافق قویٰ نہ دیئے جاتے تو پھر ہم ان کمالات کو کسی صورت اور حالت میں پا ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک گروہ کی دعوت کرے، تو ضرور ہے کہ وہ اُس گروہ کے موافق کھانا تیار کرے اور اُسی کے موافق ایک مکان ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دعوت تو ایک ہزار آدمی کی کر دے اور اُن کے بٹھانے کے واسطے ایک چھوٹی سی کُٹیا بنا دے۔ نہیں۔ بلکہ وہ اُس تعداد کا پورا لحاظ رکھے گا۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی کتاب بھی ایک دعوت اور ضیافت ہے۔ جس کیلئے کل دنیا کو بلایا گیا ہے۔ اس دعوت کیلئے خدا تعالیٰ نے جو مکان تیار کیا ہے وہ قویٰ ہیں جو اُن لوگوں کو دیئے گئے ہیں۔ قویٰ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اب اگر بیل، کتے یا کسی اور جانور کے سامنے قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش کریں وہ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے کہ اُن میں وہ قویٰ نہیں ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کو برداشت کرسکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ قویٰ دیئے ہیں اور ہم اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 310)

صفاتِ الٰہیہ کے حقیقی مظہر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے

سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں کہ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ، رَحۡمٰن، رَحِیۡم، مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں لیکن اُن کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا۔ کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ رب العالمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نمونہ دکھایا؟ آپؐ نے عین ضعف میں پرورش پائی۔ کوئی موقع مدرسہ مکتب نہ تھا، جہاں آپؐ اپنے روحانی اور دینی قویٰ کو نشوونما دے سکتے۔ کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا۔ نہ کسی موٹی سوٹی تعلیم کا ہی موقع پایا اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی۔ پھر دیکھو کہ باوجود ایسی مواقع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپؐ کو دی گئی، جس کے علوم عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں۔ جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھے گا، اس کو معلوم ہو جاوے گا کہ دنیا کے تمام فلسفے اور علوم اُس کے سامنے ہیچ ہیں اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر دو عظیم الشان نبی گزرے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ مگر ان دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اُن میں سے کسی کی نسبت نبی اُمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ یہ تحدّی اور دعویٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہوا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ وَ لٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا (الشوریٰ: 53)

......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کسی یہودی، نصاریٰ، ہندی سے پوچھو کہ آپ نے بھی کہیں تعلیم پائی تھی، تو وہ صاف کہے گا کہ ہرگز نہیں!!! کتنی بڑی ربوبیت کا مظہر ہے۔ انسان جب بچپن کی حالت سے آگے نکلتا ہے جو بلوغ سے پہلے ہے تو عام طور پر مکتب میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہلا قدم ہوتا ہے، مگر آپؐ کی زندگی کا پہلا قدم ہی گویا اعجاز تھا۔ چونکہ آپؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تھا اس لیے آپؐ کے وجود میں حرکات وسکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے۔ آپؐ کی طرز زندگی کہ ا۔ ب تک نہیں پڑھا اور قرآن جیسی بے نظیر نعمت لائے اور ایسا عظیم الشان معجزہ امت کو دیا۔ پہلے نبی آئے اور ایک خاص وقت تک دنیا میں رہ کر چل دیئے۔ اور دین وہیں کالعدم ہو گیا۔ اور خدا کو ان کا محو کرنا ہی منظور تھا، مگر اس دین کے اظلال وآثار کا قیام منظور تھا اور چونکہ کوئی دین معجزات کے بدوں رہ نہیں سکتا، ورنہ چند روز تک سماعی باتوں پر یقین رہتا ہے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ ''ایہہ جہاں مٹھاتے اگلا کن ڈٹھا۔'' اس لیے خدا نے چاہا کہ اسلام کے ساتھ زندہ معجزہ ہو۔

(ملفوظات، جلد اوّل صفحہ 445)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز بیان

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز بیان کو اگر غور سے دیکھتے تو ان کو وعظ کہنے کا بھی ڈھنگ آجاتا۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ سب سے بہتر نیکی کیا ہے۔ آپ اس کو جواب دیتے ہیں کہ سخاوت۔ دوسرا آکر یہی سوال کرتا ہے تو اس کو جواب ملتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت۔ تیسرا آتا ہے۔ اس کو جواب کچھ اور ملتا ہے۔ سوال ایک ہی ہوتا ہے۔ جواب مختلف۔ اکثر لوگوں نے یہاں پہنچ کر ٹھوکر کھائی ہے اور عیسائیوں نے بھی ایسی حدیثوں پر بڑے بڑے اعتراض کیے ہیں، مگر احمقوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مفید اور مبارک طرز جواب پر غور نہیں کیا۔ اس میں سِرّ یہی تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قسم کا مریض آتا تھا اسکے حسب حال نسخہ شفا بتلا دیتے تھے۔ جس میں مثلاً بخل کی عادت تھی اس کیلئے بہترین نیکی یہی ہوسکتی تھی کہ اسکو ترک کرے، جو ماں باپ کی خدمت نہیں کرتا تھا، بلکہ ان کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتا تھا، اس کو اسی قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی کہ وہ ماں باپ کی خدمت کرے۔

(ملفوظات، جلد اوّل، صفحہ 506)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ

سب سے اکمل نمونہ اور نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو جمیع اخلاق میں کامل تھے۔اسی لئے آپ کی شان میں فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5)

ایک وقت ہے کہ آپ فصاحت بیانی سے ایک گروہ کو تصویر کی صورت حیران کر رہے ہیں۔ایک وقت آتا ہے کہ تیر و تلوار کے میدان میں بڑھ کر شجاعت دکھاتے ہیں۔سخاوت پر آتے ہیں تو سونے کے پہاڑ بخشتے ہیں۔حلم میں اپنی شان دکھاتے ہیں تو واجب القتل کو چھوڑ دیتے ہیں۔الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر اور کامل نمونہ ہے جو خدائے تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔اسکی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اسکے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرلے۔ اسکا پھل، اس کا پھول اور اس کی چھال، اس کے پتے غرضکہ ہر چیز مفید ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان درخت کی مثال ہیں جسکا سایہ ایسا ہے کروڑہا مخلوق اس میں مرغی کے پروں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتا تھا کیونکہ آپ بڑے خطرناک مقام میں ہوتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے۔اُحد میں دیکھو کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں۔ایسی گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے کہ صحابہؓ برداشت نہیں کر سکتے۔مگر یہ مرد میدان سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے۔ اس میں صحابہؓ کا قصور نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا، بلکہ اس میں بھید یہ تھا کہ تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نمونہ دکھایا جاوے۔ایک موقع پر تلوار پر تلوار پڑتی تھی اور آپ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ میں ہوں۔کہتے ہیں حضرتؐ کی پیشانی پر ستر زخم لگے۔مگر زخم خفیف تھے۔یہ خلق عظیم تھا۔

ایک وقت آتا ہے کہ آپ کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں تھیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی نہ ہوں۔آپ نے وہ سب ایک سائل کو بخش دیں۔اب اگر پاس نہ ہوتا تو کیا بخشتے۔ اگر حکومت کا رنگ نہ ہوتا تو یہ کیونکر ثابت ہوتا کہ آپ واجب القتل کفار مکہ کو باوجود مقدرت انتقام کے بخش سکتے ہیں۔جنہوں نے صحابہ کرامؓ اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان عورتوں کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں، جب وہ سامنے آئے تو آپ نے فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ میں نے آج تم کو بخش دیا۔اگر ایسا موقع نہ ملتا تو ایسے اخلاق فاضلہ حضور کے کیونکر ظاہر ہوتے۔یہ شان آپؐ کی اور صرف آپ کی ہی تھی۔کوئی ایسا خلق بتلاؤ جو آپ میں نہ ہو اور پھر بدرجہ غایت کامل طور پر نہ ہو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اُن کے اخلاق بالکل مخفی ہی رہے۔شریر یہود جن کو گورنمنٹ کے ہاں کرسیاں ملتی تھیں اور رومی گورنمنٹ ان کے گروہ کی وجہ سے عزت کرتی تھی، مسیح کو تنگ کرتے رہے مگر کوئی اقتدار کا وقت حضرت مسیح کی زندگی میں ایسا نہ آیا جس سے معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں تک باوجود مقدرت انتقام کے عفو سے کام لیتے ہیں مگر برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ایسے ہیں کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ کی محک پر کامل المعیار ثابت ہوئے۔ وہ صرف باتیں ہی نہیں بلکہ ان کی صداقت کا ثبوت ہمارے ہاتھ میں ایسا ہی ہے جیسے ہندسہ اور حساب کے اصول صحیح اور یقینی ہیں اور ہم دو اور دو چار کی طرح ان کو ثابت کر سکتے ہیں لیکن کسی اور نبی کا متبع ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے آپؐ کی مثال ایک ایسے درخت سے دی جسکی جڑھ، چھال، پھل، پھول، پتے غرض ہر ایک چیز مفید اور غایت درجہ مفید، راحت رساں اور سرور بخش ہے۔چونکہ جناب سرور کائنات علیہ التحیات کے بعد اُمت میں ایک تفرقہ پیدا ہو گیا اس لئے وہ جامعیت اخلاق بھی نہ رہی بلکہ جدا جدا اور متفرق طور پر وہ مجموعہ اخلاق پھیل گیا۔اس لئے بعض آدمی بعض اخلاق کو آسانی سے صادر کر سکتے ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل، صفحہ 114)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وصفا

خدا کے ساتھ روٹھنا نہیں چاہئے اور خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنا کہ اس نے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔مومنوں پر ابتلا آتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک کیسی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔طائف میں گئے تو پتھر پڑے۔اس وقت جب کہ آپؐ کے بدن سے خون جاری تھا، آپؐ نے کیسا صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔اور کیا پاک الفاظ فرمائے کہ یا اللہ میں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اُٹھاتا رہوں گا جب تک تو راضی ہو۔امتحان کا ہونا ضروری ہے۔نبیوں اور صادقوں پر ابتلا آتے ہیں حضرت مسیح کو دیکھو کہ کیسا ابتلا آیا۔ ایلی ایلی لما سبقتنی۔کہنا پڑا، یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا غرض مومن کو گھبرانا نہیں چاہئے اور خدا سے روٹھنا نہیں چاہئے۔اس مضمون پر ایک لمبی تقریر حضرت اقدس نے فرمائی جس کا خلاصہ آپ ہی کے اشعار میں یہ ہے:

صادق آں باشد کہ ایام بلا
مے گزارد با محبت با وفا

(الہامی شعر)

گر قضا را عاشقے گردد اسیر
بوسد آں زنجیر را کز آشنا

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 167)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علوشان

سب عزتوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے۔جس کا کل اسلامی دنیا پر اثر ہے۔آپؐ ہی کی غیرت نے پھر دنیا کو زندہ کیا۔عرب جن میں زنا، شراب اور جنگ جوئی کے سوا کچھ رہا ہی نہ تھا اور حقوق العباد کا خون ہو چکا تھا۔ ہمدردی اور خیر خواہی نوع انسان کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا اور نہ صرف حقوق العباد ہی تباہ ہو چکے تھے بلکہ حقوق اللہ پر اس سے بھی زیادہ تاریکی چھا گئی تھی۔اللہ تعالیٰ کی صفات پتھروں، بوٹیوں اور ستاروں کو دی گئی تھیں۔قسم قسم کا شرک پھیلا ہوا تھا۔ عاجز انسان اور انسان کی شرمگاہوں تک کی پوجا دنیا میں ہو رہی تھی۔ایسی حالت مکروہ کا نقشہ اگر ذرا دیر کیلئے ایک سلیم الفطرت انسان کے سامنے آجاوے تو وہ ایک خطرناک ظلمت اور ظلم وجور کے بھیانک اور خوفناک نظارہ کو دیکھے گا۔فالج ایک طرف گرتا ہے، مگر یہ فالج ایسا فالج تھا کہ دونوں طرف گرا تھا۔فساد کامل دنیا میں برپا ہو چکا تھا۔نہ بحر میں امن وسلامتی تھی اور نہ بر پر سکون وراحت۔اب اس تاریکی اور ہلاکت کے زمانہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔آپؐ نے آکر کیسے کامل طور پر اس میزان کے دونوں پہلو درست فرمائے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اپنے اصلی مرکز پر قائم کر دکھایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی طاقت کا کمال اس وقت ذہن میں آسکتا ہے جبکہ اُس زمانہ کی حالت پر نگاہ کی جاوے۔ مخالفوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو جس قدر تکالیف پہنچائیں اور اس کے بالمقابل آپؐ نے ایسی حالت میں جب کہ آپؐ کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل تھا، ان سے جو کچھ سلوک کیا، وہ آپؐ کی علوشان کو ظاہر کرتا ہے۔

ابوجہل اور اس کے دُوسرے رفیقوں نے کونسی تکلیف تھی جو آپؐ کے جاں نثار خادموں کو نہیں دی۔غریب مسلمان عورتوں کو اُونٹوں سے باندھ کر مخالف جہات میں دوڑایا اور وہ چیری جاتی تھیں۔محض اس گناہ پر کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی کیوں قائل ہوئیں۔مگر آپؐ نے اسکے مقابل صبر وبرداشت سے کام لیا۔اور جبکہ مکہ فتح ہوا، تو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف:93) کہہ کر معاف فرمایا۔ یہ کس قدر اخلاقی کمال ہے جو کسی دُوسرے نبی میں نہیں پایا جاتا۔اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 484)

آنحضرت ﷺ کے اخلاقی معجزات

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے سوئے پڑے تھے کہ ناگاہ ایک شور و پکار سے بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنگلی اعرابی تلوار کھینچ کر خود حضور پر آ پڑا ہے۔اس نے کہا۔اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا اس وقت میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے پورے اطمینان اور سچی سکینت سے جو حاصل تھی فرمایا کہ اللہ۔آپؐ کا یہ فرمانا عام انسانوں کی طرح نہ تھا۔اللہ جو خدائے تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفات کاملہ کا مستجمع ہے۔ایسے طور پر آپ کے منہ سے نکلا کہ دل سے نکلا اور دل پر ہی جا کر ٹھہرا۔کہتے ہیں کہ اسم اعظم یہی ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں لیکن جس کو وہ اللہ یاد ہی نہ ہو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔الغرض ایسے طور پر اللہ کا لفظ آپؐ کے منہ سے نکلا کہ اس پر رعب طاری ہو گیا اور ہاتھ کانپ گیا۔تلوار گر پڑی۔حضرت نے وہی تلوار اٹھا کر کہا کہ اب بتلا۔میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ وہ ضعیف القلب جنگلی کس کا نام لے سکتا تھا۔آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق فاضلہ کا نمونہ دکھایا اور کہا جا تجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ مروت اور شجاعت مجھ سے سیکھ۔اس اخلاقی معجزہ نے اس پر ایسا اثر کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

......آنحضرت ﷺ کے اخلاقی معجزات میں ایک اور معجزہ بھی ہے کہ آپؐ کے پاس ایک وقت بہت سی بھیڑیں تھیں۔ایک شخص نے کہا اس قدر مال اس سے پیشتر کسی کے پاس نہیں دیکھا۔حضورؐ نے وہ سب بھیڑیں اسکو دے دیں۔اس نے فی الفور کہا کہ لاریب آپ سچے نبی ہیں۔سچے نبی کے بغیر اس قسم کی سخاوت دوسرے سے عمل میں آنی مشکل ہے۔ الغرض آنحضرتؐ کے اخلاق فاضلہ ایسے تھے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: 5) قرآن میں وارد ہوا۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 85)

......☆......☆......☆......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت افضل الرسل

(از افاضات سیّدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

یہ مضمون تفسیر کبیر سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ جلد 10 سورۃ الکوثر کی تفسیر سے لیا گیا ہے۔ آپؓ نے کوثر کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جو کمالات بیان فرمائے ہیں وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ (ادارہ)

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

پہلے معنے (کوثر کے۔ناقل) یہ تھے کہ نبوت کے کمالات کا اعلیٰ صورت میں ملنا اور بہت ملنا۔ اس مضمون کی وسعت کی کوئی انتہاء نہیں اور خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی اِسے مکمل طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ لیکن مثال کے طور پر کچھ باتیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ اس بارہ میں ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ آپؐ کا دعویٰ کیا تھا کیونکہ کسی کی خوبیوں کا پتا لگانے کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اُس کے دعویٰ کا پتا لگایا جائے۔ مثلاً اگر ایک شخص ہمارے پاس آکر کہتا ہے کہ مَیں سب سے بڑا اُستاد ہوں، تو ہم دیکھیں گے کہ آیا اُستاد ہونے کی سب شرائط اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ اگر وہ شرطیں دوسروں کی نسبت اُس میں زیادہ پائی جاتی ہوں تو ہم مان لیں گے کہ وہ سب سے بڑا اُستاد ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ مَیں سب سے بڑا اُستاد ہوں اور جب سوال کیا جائے کہ تم میں کون کون سے کمالات پائے جاتے ہیں اور وہ مثلا کہے کہ مَیں انڈے زیادہ کھا جاتا ہوں تو ہر شخص اُس کو بے وقوف سمجھے گا۔ یا وہ کہے کہ میں ڈنٹر زیادہ پیلتا ہوں یا بیٹھکیں زیادہ نکالتا ہوں تو سب لوگ اُس پر ہنسیں گے۔ مگر جب وہ کہے کہ مَیں بڑا پہلوان ہوں اور پھر وہ کہے کہ مَیں خوراک زیادہ کھاتا ہوں، بوجھ زیادہ اُٹھا سکتا ہوں، ڈنٹر زیادہ پیلتا ہوں اور کئی قسم کے جسمانی کرتب دکھاتا ہوں تو ہم کہیں گے ٹھیک کہتا ہے۔ پھر ہم اُس سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ کیا تو کینٹ کا فلسفہ جانتا ہے؟ اگر ہم اس سے پوچھیں گے کہ کیا تو کینٹ کا فلسفہ جانتا ہے، تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ میرا فلسفہ سے کیا تعلق ہے میں نے تو پہلوانی کا دعویٰ کیا ہے فلسفہ دانی کا نہیں۔ پس جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ مَیں سب سے بڑا ہوں، تو ہم دیکھیں گے کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے اور کون کون شخص آپ کے دعویٰ میں شریک ہے تا کہ ہم اُس سے آپ کا مقابلہ کر کے دیکھیں اور معلوم کریں کہ آیا آپ واقعی سب سے بڑے ہیں یا نہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے جب ہم غور کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کیا تھا تو ہمیں قرآن کریم میں یہ آیت نظر آتی ہے کہ :

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۝ (المزمل : 16) یعنی اے لوگو ہم نے تمہاری طرف ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو تمہارا نگران ہے اور وہ ویسا ہی رسول ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ (علیہ السلام) کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ دنیا میں جتنے نبی گزرے ہیں اُن میں معروف نبی موسوی سلسلہ کے انبیاء ہی ہیں۔ حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندرؑ کی نبوت کو دوسرے مسلمان تو مانتے ہی نہیں، ہم مانتے ہیں لیکن ہمارے پاس اُن کی تاریخ محفوظ نہیں۔ اُن کی تعلیمیں کیا تھیں ہمیں اُن کی تفصیلات کا کچھ علم نہیں۔ صرف گیتا ایک ایسی کتاب ہے جو حضرت کرشن علیہ السلام کی طرف منسوب کی جاتی ہے مگر اُس میں بھی عام طور پر لڑائیوں اور تاریخی واقعات کا ہی ذکر ہے۔ آپؑ کے دعویٰ کی تفصیلات اُس سے نہیں ملتیں۔ بہرحال اسرائیلی نبی جن کی تاریخ ایک حد تک محفوظ ہے، اُن کے سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تُو بھی موسیٰ جیسا نبی ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس جنس میں شامل تھے جس جنس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کمالاتِ نبوت عطا کئے گئے تھے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اُن سے زیادہ ثابت ہوجائیں تو لازماً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر کا ملنا بھی ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی قسم سے ہیں اور آپ کے کمالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کے مشابہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے وہ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام والے کمالات بھی آپ کو ملے اور پھر اُن سے بڑھ کر ملے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بڑے بڑے واقعات کیا گزرے تھے اور پھر اُن کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات سے مقابلہ کرتے ہیں تا کہ یہ معلوم کرسکیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کس کس رنگ میں کوثر عطا فرمایا ہے۔ اس بارہ میں جب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ :

(1) حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی پھیلانے اور لوگوں کو روحانی علوم سکھانے کیلئے آئے تھے اور یہ سیدھی بات ہے کہ ظاہری علوم اس کام میں بہت ممد ہوتے ہیں۔ علم سکھانے کے کام میں پڑھے لکھے آدمی کیلئے بہت آسانی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبی بنایا گیا تو آپ پڑھے لکھے تھے۔ قرآن کریم اور تورات دونوں سے اسکا پتا چلتا ہے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبیوں کا کام دیا گیا تو دنیوی ہتھیار آپ کے پاس موجود تھا یعنی آپ پڑھے لکھے تھے اور اپنے کام کو احسن طریق پر سرانجام دے سکتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وہی کام سپرد ہوا تو آپ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر اَن پڑھ ہونے کے باوجود آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حاصل ہے۔

(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو متمدّن تھی۔ آپ جب مصر میں تشریف لائے اُس وقت مصری قوم چوٹی کی قوم سمجھی جاتی تھی اور چونکہ بنی اسرائیل بھی اُس کے ساتھ رہتے تھے اِس لئے اسرائیلی قوم بھی پڑھی لکھی اور متمدن تھی اور پڑھے لکھے اور متمدّن لوگوں کو دینی علوم سکھانا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اُن میں نظام کو قائم کرنا اور اُن کے اندر جماعتی روح پیدا کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف آئے تھے جو غیر متمدّن تھی اور ظاہری علوم سے بالکل ناآشنا تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں کی کسریٰ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک دفعہ کسریٰ نے درباریوں سے کہا تم اِن لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔ معلوم ہوتا ہے تم اُن سے اچھا سلوک نہیں کرتے، مَیں انہیں روپے دے دونگا اور یہ خوش ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ کسریٰ نے اسلامی لشکر کے جرنیل کو کہلا بھیجا کہ میرے پاس اپنا وفد بھیجو۔ جب وہ وفد کسریٰ کے دربار میں آیا تو کسریٰ نے کہا کہ تم لوگ وحشی اور مردار خور ہو اور گوہیں کھاتے ہو تمہارا بادشاہتوں کے ساتھ کیا واسطہ ہے۔ میں تم کو روپے دیتا ہوں تم واپس جا کر انہیں خرچ کرو اور گھروں میں آرام سے بیٹھو۔ اگر تم واپس جانے کیلئے تیار ہوجاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مَیں تمہارے ہر افسر کو دو اشرفیاں اور ہر سپاہی کو ایک اشرفی دوں گا۔ جب کسریٰ اپنی بات ختم کر چکا تو وفد کے سردار نے جو ایک صحابیؓ تھے جواب دیا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک ہے۔ ہم واقعہ میں ایسے ہی تھے ہم وحشی تھے، ہم مردار خور تھے، ہم گوہیں کھاتے تھے، ہم یتیموں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے، ہم اپنی ماؤں کے ساتھ شادیاں کرلیتے تھے اور ہمارے اندر یہ سارے نقائص موجود تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جس کو ہم نے مان لیا۔ اس لئے اب ہماری حالت اَور ہے اب ہم وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ اب ہم اِس قسم کی لالچوں میں آنے والے نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان لڑائی چھڑ چکی ہے اب اِسکا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا اشرفیوں اور لالچوں سے نہ ہوگا۔ یا ہم تم کو ماریں گے یا خود اس لڑائی میں شہید ہوجائیں گے۔ بادشاہ

نے اپنے ایک نوکر سے کہا جاؤ اور ایک مٹی کا بورا لاؤ۔ وہ نوکر گیا اور ایک مٹی کا بورا لے آیا۔ کسریٰ نے اُس صحابیؓ سے کہا ذرا آگے آؤ۔ وہ آگے گئے تو بادشاہ نے اپنے نوکر سے کہا مٹی کا بورا اِن کے سر پر رکھ دو۔ وہ صحابیؓ انکار بھی کرسکتے تھے مگر وہ بڑے ادب سے جھک گئے اور اس بورے کو اپنے سر پر اُٹھالیا۔ کسریٰ نے کہا جاؤ مَیں تم کو کچھ بھی دینے کو تیار نہیں۔ یہ مٹی میں تم پر ڈالتا ہوں۔ وہ صحابیؓ چھلانگ لگا کر وہاں سے نکلے اور اپنے ساتھیوں سے کہا چلو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھوں سے ایران کی زمین ہمارے حوالہ کردی ہے۔ بادشاہ مشرک تھا اور مشرک وہمی ہوتا ہے وہ یہ الفاظ سنکر کانپ اٹھا اور اس نے اپنے درباریوں سے کہا دوڑو اور انہیں واپس لاؤ۔ مگر وہ اُس وقت تک گھوڑوں پر سوار ہوکر بہت دور نکل چکے تھے۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس قوم اور ملک میں کام کیا وہ قوم اور ملک سب سے زیادہ متمدّن تھے۔ اُن کے جو قدیم آثار ملتے ہیں اُن سے بھی اس چیز کا پتا چلتا ہے۔ اُس زمانہ کی عمارتوں کو لے لو آج کل کی عمارتیں اُن کے سامنے بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ سائنس کو دیکھوں تو انہوں نے مُردوں کو مصالحے لگا کر اس طرح رکھا ہے کہ وہ اب بھی زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ مَیں نے وہ ممیاں خود دیکھی ہیں اُن پر سے کپڑے اُتار دو تو اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی آدمی سویا ہوا ہے۔ صرف کچھ دبلا سا ہوگیا ہے۔ یورپ والے آج تک کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ بھی ایسا کرسکیں مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اب انہوں نے ممیوں سے مصالحے نکال کر اُن کا analysis کیا ہے اور وہ ایک حد تک اُن کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ مگر پھر بھی اُن کا مصالحہ صرف دس بارہ سال تک جاتا ہے۔ لیکن مصری مُردے ہزاروں سال سے محفوظ چلے آرہے ہیں۔ 3400 سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ کے مُردے اب تک محفوظ ہیں۔ یہ کتنی بڑی ترقی تھی جس کا مقابلہ آج کل کی قومیں بھی نہیں کرسکیں۔ پھر مصری قوم میں سونے کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا جو اُن کی ترقی کی ایک بیّن علامت ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصری قوم کے ساتھ رہنے والے لوگ کتنے متمدن اور ترقی یافتہ ہوں گے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس قوم سے کام لیا جو متمدن تھی اور ظاہری علوم سے بہرہ ور تھی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس قوم سے کام لیا جو اپنی ماؤں کا ادب کرنا بھی نہیں جانتے تھے بلکہ اُن سے شادی کر لیتے تھے اور دوسرے نقائص بھی اُن میں پائے جاتے ہیں۔ پھر آپ اپنے کام میں کامیاب ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر کامیاب ہوئے۔

(3) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ کام بہت بڑا ہے مجھ سے نہیں ہوسکے گا میرے ساتھ ایک اَور آدمی بطور مددگار مقرر کر دیجئے اور پھر آپ نے یہ بھی کہا کہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ (طہٰ ع2) وہ مددگار بھی مجھے میرے رشتہ داروں میں سے ہی ملنا چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احساس دیکھو کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت کے مقام پر سرفراز کیا گیا تو آپ نے کہا مَیں یہ کام نہیں کرسکتا۔ خدا آپ کے سپرد ایک کام کرتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام انکار کرتے ہیں۔ ہم مان لیتے ہیں کہ یہ انکسار تھا مگر انکسار کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے بار بار آپ سے کہا کہ تم فرعون کی طرف جاؤ مگر جیسا کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے آپ جواب میں انکار ہی کرتے چلے گئے۔ پھر آپ کا اپنے ساتھ ایک مددگار مانگنے پر اصرار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ ہو بھی میرے خاندان میں سے ہی، یہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود خدا تعالیٰ کے حکم کے اپنے کام میں دنیوی سامانوں کی مدد بھی چاہتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت کے زمانہ سے کتنے دُور تھے (موسیٰ علیہ السلام کے تو قریب کے ہی زمانہ میں حضرت ابراہیم حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کئی انبیاء گزرے تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں 2500 سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے اسکے بعد آپ کی قوم میں کوئی نبی نہیں آیا) مگر آپ کی معرفت دیکھو آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اِقْرَاْ جس کے معنے یہ ہیں تُو پڑھ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٴ میں تو لکھا پڑھا نہیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی کتاب آپ نے پڑھنی تھی۔ جبریل علیہ السلام کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی کہ وہ آپ سے کہتے یہ کتاب پڑھو اور جب کوئی وجود بغیر کتاب کے آئے اور کہے پڑھ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا جاتا ہوں تُو اس کو دُہراتا جا۔ پس جب آپ سے فرشتے نے کہا پڑھ تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اے شخص (اُس وقت آپ نبی نہیں تھے) جو کچھ مَیں کہتا جاؤں تم اُسے دُہراتے جاؤ۔ لیکن آپ فرماتے ہیں مَا اَنَا بِقَارِیٍٴ مَیں تو لکھا پڑھا نہیں ہوں۔ یہ تھی آپ کی انکساری۔ آپ سمجھتے تھے کہ میرے سپرد کوئی بڑا کام ہونے والا ہے مگر خدا تعالیٰ بڑی شان والا ہے اور میں بندۂ عاجز ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ مَیں وہ کام پوری طرح سرانجام نہ دے سکوں اِس لئے آپ نے کہا مَیں لکھا پڑھا نہیں ہوں۔ فرشتے نے دوبارہ کہا اِقْرَاْ پڑھ۔ آپ نے پھر فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٴ مَیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر تیسری دفعہ فرشتے نے کہا اِقْرَاْ پڑھ تو آپ پڑھنے لگ گئے۔ یہ تھا انکسار۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بار بار انکار نہیں کرتے گئے۔ بلکہ جب آپ نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ اس امر کو بہرحال میرے ہی سپرد کرنا چاہتا ہے تو آپ نے اُس کا حکم فوراً مان لیا اور سمجھ لیا کہ اب انکار کرنا سُوءِ ادبی ہے۔ پھر آپ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کوئی مددگار دیں بلکہ کہا کہ جب منشاءِ الٰہی ہی یہ ہے کہ مَیں اِس بوجھ کو اٹھاؤں تو میں اس کو اکیلا ہی اٹھاؤں گا۔ یہ ہے آپ کی فضیلت جو آپ کے مقام کو نمایاں کرنے والی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سپرد ایک چھوٹا سا کام ہوا تو انہیں نے مددگار مانگا مگر آپ کے سپرد اُس سے بہت بڑا کام ہوا تو فرمایا مَیں اکیلے ہی اس کام کو سرانجام دُوں گا اور آپ نے کامیاب طور پر وہ کام سرانجام دے دیا۔ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے جو آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حاصل ہے۔

(4) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ملک سے نکلے اور فرعون نے آپ کا تعاقب کیا تو جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے آپ کی قوم سخت گھبرا گئی اور اس نے سمجھا کہ اب وہ فرعون کی گرفت سے نہیں بچ سکتی۔ چنانچہ انہوں نے چلا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ (شعراء ع 4) اے موسیٰ ہم تو پکڑے گئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (شعراء ع4) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور وہ ہمیں دشمنوں کے حملہ سے بچالے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہوگیا۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے وقت مکہ سے نکلے اور غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے تو دشمن ایک تجربہ کار کھوجی کی راہنمائی میں آپ کو تلاش کرتے کرتے عین اُس غار کے منہ پر جا پہنچا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت کھوجی نے انہیں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً یہاں چھپے ہوئے ہیں اور اگر وہ اس غار میں نہیں تو پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ دشمن اس وقت آپ سے اتنا قریب تھا کہ حضرت ابوبکرؓ جو آپؐ کے ساتھ تھے گھبرا گئے۔ اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ دشمن تو اس قدر نزدیک ہے کہ اگر وہ ذرا جھک کر اندر جھانکے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے اس وقت بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ ابوبکر گھبراتے کیوں ہو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ ع6) اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہماری مدد کرے گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ دشمن عین اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے پھر بھی وہ خائب و خاسر واپس چلا گیا اور وہ آپ کو پکڑنے میں ناکام رہا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور وہ ہماری مدد کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہ ہماری مدد کرے گا لیکن اگر غور کیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن کا تباہ ہوجانا اس طرح تھا کہ دشمن اب بھی کہہ دیتا ہے کہ موسیٰ اور آپ کی قوم سمندر سے گزرے ہی اس وقت تھے جب جزر کا وقت تھا۔ جب ٹائیڈ کا وقت آیا تو فرعون اور اس کے ساتھی ڈوب گئے۔ اس میں معجزہ اور نشان کی کونسی بات ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اس طرح بچایا کہ دشمن آپ کے قدموں کے نشانات کو دیکھتا ہوا غار ثور پر پہنچا اور پھر بھی وہ آپؐ کو نہ دیکھ سکا۔ حالانکہ ان کا معتبر کھوجی ساتھ تھا اور اس نے کہا بھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً یہاں چھپے ہوئے ہیں اور اگر وہ یہاں نہیں تو پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ مگر اس کے اس قدر یقین دلانے کے باوجود دشمن کو اتنی توفیق نہ ملی کہ وہ جھک کر غار کے اندر دیکھ لے اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

اسکے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کیلئے کفارِ مکہ نے ایک سو اُونٹ کا انعام مقرر کر دیا۔ یہ اتنا بڑا انعام تھا کہ اس کو حاصل کرنے کیلئے عرب چاروں طرف دوڑ

پڑے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں مل گئے تو سو اُونٹ مل جائیں گے اور گھر کی حالت سُدھر جائے گی۔ سو اونٹ اس وقت کے لحاظ سے بڑا بھاری انعام تھا بلکہ آج کل کے لحاظ سے بھی یہ بڑا بھاری انعام ہے۔ آج کل گورنمنٹ مجرموں کو پکڑنے کیلئے پانچ پانچ ہزار یا دس دس ہزار روپیہ انعام رکھتی ہے۔ اگر سو اونٹ کی قیمت کا اندازہ اس زمانہ کے لحاظ سے کیا جائے تب بھی کم از کم ساٹھ ستر ہزار روپیہ کا انعام بنتا ہے۔ غرض یہ ایک بہت بڑا انعام تھا جس کو حاصل کرنے کیلئے ویسے تو بہت سے افراد باہر نکلے لیکن ایک شخص اتفاقاً اس راستہ پر جا پہنچا جس رستہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس شخص نے آپ کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ وہ آپ کو پکڑنے میں اب ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ جس وقت وہ قریب پہنچا تو اچانک اسکے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے عرب کے قدیم دستور کے مطابق اس موقع پر فوراً تیر نکال کر فال لی کہ مجھے آگے بڑھنا چاہئے یا نہیں۔ فال نکلی کہ نہیں بڑھنا چاہئے مگر سو اونٹ کا انعام تھا، رہ نہ سکا۔ پھر ایڑ لگا کر پاس پہنچا مگر پھر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اب کی دفعہ پیٹ تک دھنس گیا۔ وہ گھبرایا اور سمجھا کہ کوئی اور بات ہے۔ چنانچہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت ادب سے حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں امان چاہتا ہوں۔ میں اب سمجھ گیا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے نبی ہیں۔ میں آپ کے تعاقب میں آیا تھا مگر واپس جاتا ہوں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور جب آپ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو ایک نہ ایک دن آپ ضرور غالب آجائیں گے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ایک کاغذ کا پُرزہ لکھ دیں تاکہ جب خدا تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو میرے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا اور آپ نے اسے لکھ کر دے دیا کہ خدا تعالیٰ جب مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے تو اس شخص سے نیک سلوک کیا جائے۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف ایک واقعہ پیش نہیں آیا، آپ کے ساتھ دو دفعہ یہ واقعہ ہوا کہ دشمن نے آپ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر دونوں دفعہ وہ ناکام رہا۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا تو اس نے آپ کو دیکھ لیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن باوجود پاس پہنچ جانے کے آپ کو دیکھ بھی نہیں سکا۔ دوسری دفعہ جب دشمن نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا تو اُس وقت بھی وہ ناکام رہا۔ اور نہ صرف ناکام رہا بلکہ اُس نے آپ کی برتری کو تسلیم کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن فرعون کو خدا تعالیٰ اس وقت نظر آیا جب وہ ڈوب رہا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا میں موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تُو آخری وقت میں ایمان لایا ہے اب تجھے نجات تو نہیں دی جاسکتی مگر تیرے بدن کو نجات دے دی جائے گی تاکہ تو دوسروں کیلئے عبرت کا موجب ہو۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے کیلئے جو دشمن نکلا وہ زندہ رہا اور اپنی زندگی میں اس نے تسلیم کر لیا کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں بلکہ اس نے آپ سے یہ اقرار نامہ لکھوا لیا کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کرے تو مجھ سے حسن سلوک کیا جائے اور پھر خدا تعالیٰ نے اسے آپ کے غلبہ تک زندہ رکھا اور مسلمانوں نے اس سے حسن سلوک کیا۔ یہ کتنی بڑی فضلیت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حاصل ہے۔

(5) ایک فرق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تو تباہ ہوا لیکن دشمن کے تباہ ہو جانے کے بعد اس کے ملک پر آپ کو غلبہ میسر نہیں آیا۔ بے شک بعض جاہل علما یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعد میں اس ملک پر قبضہ مل گیا تھا اور ایک آیت کے غلط معنی کر کے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی بائبل سے ثابت ہوتا ہے۔ یونہی کہہ دینے سے کہ آپ کو مصر کے ملک پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا، کیا بنتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے بعد میں وہ جنگلوں میں پھرتے رہے اور اپنی منزل مقصود کو ایک لمبے عرصہ تک نہ پا سکے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے جب شکست کھائی تو آپ ان کے ملک پر بھی قابض ہو گئے اور یہ آپ کی موسیٰ علیہ السلام پر برتری ہے۔

(6) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب آپ کی قوم نے کہا اِذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (مائدہ ع 4) تو خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تیری قوم نے بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ اس گستاخی کی وجہ سے ہم اسے اس فتح سے محروم کرتے ہیں جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔ جاؤ اب چالیس سال تک جنگلوں میں آوارہ پھرو اور اپنے گناہوں کی معافیاں مانگو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو چالیس سال تک جنگلوں میں بھٹکنے کے بعد کنعان ملا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو آپ کی وفات کے بارہ سال کے عرصہ میں ہی ساری متمدن دنیا پر حکومت مل گئی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی فضلیت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حاصل ہے۔

(7) ایک اور امتیازی خصوصیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں یہ حاصل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا مگر آپ کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موسوی سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک ممتد رہا بلکہ اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بھی پہنچا مگر صرف نام کے طور پر۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی لوگ یہ کہنے لگ گئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے ہیں بلکہ انہوں نے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دینا شروع کر دیا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور قیامت تک چلتا چلا جائے گا۔

(8) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری خلیفہ یعنی مسیح ناصری کی جماعت نے آپ کو جواب دیدیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کا انکار کر دیا۔ اس میں کچھ دخل اس بات کا بھی تھا کہ حضرت مسیحؑ کی زبان سے بعض ایسے ذو معنے فقرے نکلے جن سے آپ کی قوم دھوکا کھا گئی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ بیٹھی۔ لیکن ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے جو محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ ہیں اگر کچھ کہا تو یہ کہ ؎

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

یعنی مجھے جو بھی کمالات ملے ہیں وہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل ہیں۔ یہ خیال نہ کرنا کہ میں آپ کے مدمقابل کی چیز ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہا لیکن ہمارے بانیٔ سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خلیفہ نے نہایت ادب کے ساتھ کہا ؎

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

یعنی مجھے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر ہے جس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں لیکن ہمیں تو اس میں لطف ہی آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس پر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ کو ابن مریمؑ سے افضل بتایا ہے۔ حالانکہ آپ نے اپنے آپ کو ابن مریمؑ سے افضل نہیں بتایا بلکہ احمدؐ کے غلام کو افضل قرار دیا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہاں احمد سے مراد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپؑ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بھی بڑا ہے اور جس کا غلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑا ہو اور افضل ہو وہ خود تو اُن سے بدرجہا افضل ہوگا۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ کی جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے سلسلہ کے بانی سے افضل قرار دے دیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خلیفہ نے اپنے آقا کی شان اور عظمت کو قائم کیا اور اُس نے دنیا میں بڑے زور سے یہ اعلان کیا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ہی پایا ہے۔

(9) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی آئے وہ مستقل نبی تھے۔ گو وہ کوئی نئ شریعت نہیں لائے مگر نبوت کا مقام انہوں نے براہ راست حاصل کیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط کے بغیر اُنہیں یہ مقام ملا تھا۔ موسوی تعلیم ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کو نبوت کے مقام تک پہنچا سکتی۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپؐ کے اتباع خواہ نبی ہوں آپؐ کے فیض سے نبی بننے والے ہیں اور انہیں جو کچھ ملے گا فیضِ محمدیؐ سے ہی ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تو تھے مگر نبوت کے مقام پر وہ براہ راست پہنچے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں یہ خوبی نہ تھی کہ وہ کسی کو نبوت کے مقام تک پہنچا سکے لیکن قرآن مجید میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے انسان نبوت کے مقام پر بھی پہنچ سکتا ہے مگر وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تابع اور قرآن کریم کا خادم ہی رہتا ہے۔

(10) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا جو بعض اوقات سانپ بن جاتا تھا جو ایک کاٹنے والی چیز ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شمشیر قرآن ملی جو ہمیشہ رحمت ہی رحمت بنی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شمشیر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (فرقان ع 5) تو قرآن کریم کو لے اور اس سے جہاد کرتا چلا جا۔ مادی تلواروں کی لڑائیاں تو معمولی ہوتی ہیں اور جلد ختم ہو جاتی ہیں مگر قرآن کریم ایک ایسی تلوار ہے جو دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ کام آنے والی ہے اور جس کے اثرات رحمت کی صورت میں ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بار بار رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے اور آپؐ نے تعلیم بھی ایسی ہی دی ہے جس میں نرمی اور محبت کو تعذیب اور انتقام پر ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ اگر تمہیں کوئی تھپّڑ مارے تو تم بھی اُسے تھپّڑ مارو۔ اگر کوئی شخص تمہاری آنکھ نکال دے تو تم بھی اُس کی آنکھ نکال دو۔ اگر کوئی شخص تمہارا دانت توڑ دے تو تم بھی اُس کا دانت توڑ دو۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ تم جو بھی قدم اُٹھاؤ سوچ سمجھ کر اور حالات کو دیکھ کر اُٹھاؤ۔ اگر مصلحت اس میں ہو کہ معاف کر دیا جائے تو اپنے دشمن کو معاف کر دو۔ اسے سزا دینے پر اصرار نہ کرو۔ کیونکہ تمہاری غرض محض اصلاح ہونی چاہئے نہ کہ انتقام۔

(11) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ دیا گیا تھا یعنی آپ کا ہاتھ کبھی کبھی چمکا کرتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب ع 6) کہا ہے اور سورج سارا چمکا کرتا ہے اُس کا کوئی ایک حصہ نہیں چمکا کرتا گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف ہاتھ چمکا کرتا تھا مگر آپؐ کا سارا جسم روشن اور منور تھا۔ پھر سورج ہر وقت روشنی دیتا ہے کبھی کبھار نہیں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ صرف کبھی کبھی چمکتا تھا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام امور میں راہنما تھے اور ہر وقت آپ کی راہنمائی قائم رہنے والی ہے یہ نہیں کہ کبھی ختم ہو جائے اور کبھی شروع ہو جائے۔

(12) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سباء ع 3) ہم نے تجھے تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ یہ بھی آپ کی فضیلت اور برتری کی ایک روشن دلیل ہے۔

(13) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک یہ معجزہ دیا گیا تھا کہ آپ کی قوم کے پلوٹھے مرے۔ پلوٹھوں کا مرنا کوئی بڑا نشان نہیں۔ مرتا تو ہر ایک ہی ہے مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ السلام کو جو معجزہ دیا گیا اسکی مثال دینا میں کہیں نہیں ملتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے پلوٹھے ہی نہیں مرے بلکہ انکی ساری اولادیں ہی مر گئیں اور پھر زندہ ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گئیں۔ کتنا بڑا دشمن تھا ولید! وہ آپ سے لڑنے کیلئے قبائل کو اُکساتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالو۔ پھر کتنا بڑا دشمن تھا عاص بن وائل۔ وہ ہر وقت آپ کے خلاف منصوبے سوچتا رہتا تھا اور لشکر تیار کروایا کرتا تھا۔ پھر کتنا بڑا دشمن تھا ابوجہل۔ اُس نے اپنی ساری عمر ہی آپ کے مقابلہ میں گزار دی۔ لیکن ولید کا بیٹا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور ایسا ایمان لایا کہ اُسکا نام مسلمان بطور یادگار کے استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹوں کا نام خالدؓ رکھتے ہیں اور غیر مسلموں کو ڈراتے ہیں کہ اب بھی ہم میں خالد موجود ہیں۔ یہ خالدؓ اس ولید کا بیٹا تھا جس نے قسم کھائی تھی کہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کر کے رہوں گا اور یہ خالدؓ وہی شخص ہے جس نے اُحد کے موقع پر تاڑ لیا تھا کہ مسلمانوں کی پشت ننگی ہے اور اُس نے موقع پا کر اوپر سے حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کی فتح عارضی طور پر شکست سے بدل گئی۔ مگر پھر یہی خالدؓ اسلام میں داخل ہوئے اور ایسے فدائی اور جاں نثار ثابت ہوئے کہ تاریخ بتاتی ہے جب خالدؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک دوست جو ان سے ملنے کیلئے آیا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ خالدؓ رو رہے ہیں۔ اس نے تعجب سے کہا خالدؓ تمہارا رونے سے کیا کام؟ تم نے اسلام کیلئے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں اب تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تمہیں بڑے بڑے انعامات ملیں گے۔ خالدؓ نے کہا ذرا آگے آؤ اور میری پیٹھ پر سے کپڑا اٹھاؤ۔ اس نے کپڑا اٹھایا تو خالدؓ نے کہا کیا میری پیٹھ پر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں زخم کا نشان نہ ہو؟ اس نے کہا نہیں کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں تلوار کے زخم کے نشان نہ ہوں۔ خالدؓ نے کہا اچھا اب میرے سینے پر سے کپڑا اُٹھاؤ۔ اس نے آپ کے سینے پر سے کپڑا اٹھایا۔ خالدؓ نے کہا دیکھو میرے سینہ اور پیٹ پر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں تلوار کے زخم کا نشان نہ ہو؟ اس نے کہا نہیں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں زخم کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے کہا اچھا اب میری دائیں ٹانگ پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھو کہ کیا میری ٹانگ اور پاؤں پر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تلوار کے زخم کے نشان نہ ہوں؟ اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا اور کہا ہر جگہ تلوار کے زخموں کے نشان ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا اب میری دوسری ٹانگ دیکھو اس نے دوسری ٹانگ دیکھی تو وہاں بھی کوئی جگی ایسی نہیں تھی جہاں تلوار کے زخم کے نشانات نہ ہوں۔ جب وہ اپنے جسم کے تمام نشانات دکھا چکے تو خالدؓ پھر رو پڑے اور انہوں نے کہا اے میرے دوست میں اس لئے نہیں روتا کہ میں مرنے لگا ہوں بلکہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کی حالت میں مقابلہ کیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے کوشش کی کہ میں اپنا اور اپنے خاندان کا کفّارہ شہادت سے ادا کروں اور تم گواہی دے سکتے ہو کہ میں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی۔ میرے سر سے پاؤں تک ایک انچ بھی ایسی جگہ نہیں جہاں زخم کا نشان نہ ہو۔ پھر آپ کی ہچکی بندھ گئی اور آپ نے سسکیاں بھرتے ہوئے فرمایا میری بدقسمتی کہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوا اور بجائے میدان جنگ میں شہید ہونے کے میں اب چار پائی پر مر رہا ہوں۔ یہ کتنا عظیم الشان نشان تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا۔ آپ کے شدید ترین دشمن آپ پر ایمان لائے اور پھر انہوں نے اتنی شاندار قربانیاں کیں کہ دنیا میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے پلوٹھوں کو مارا اور اس طرح مارا کہ انہیں آپ سے کوئی محبت نہیں تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے بیٹوں کو اس نے ایمان اور محبت کے ساتھ مارا اور ایسا مارا کہ مرتے ہوئے بھی اگر انکو کچھ حسرت تھی تو یہی کہ وہ چار پائی پر کیوں مر رہے ہیں میدان جنگ میں لڑتے ہوئے انہیں شہادت کیوں نصیب نہ ہوئی۔

عمرو بن عاصی جو بعد میں عمرو بن عاص کہلائے جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے بیٹے نے جو آپ سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے اور بڑے عظیم الشان صحابیؓ تھے دیکھا کہ وہ تڑپ رہے ہیں۔ بیٹے نے کہا باپ آپ کیوں اتنا تڑپتے ہیں خدا تعالیٰ نے آپ کو کتنا بڑا رتبہ دیا ہے کہ آپ کو ایمان نصیب ہوا۔ عمروؓ بن عاص نے آہ بھری اور کہا میرے بیٹے ایمان سے پہلے میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتنا شدید دشمن تھا کہ آپ کی شکل دیکھنے کو بھی میں بُرا سمجھتا تھا۔ اگر آپ میرے پاس سے گزرتے تو میں اپنی آنکھیں نیچی کر لیتا تھا تا نعوذ باللہ آپ کی منحوس شکل نظر نہ آئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایمان بخشا مگر اس وقت مجھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت ہو گئی کہ شدتِ محبت کی وجہ سے میں نے آپ کی شکل کو نہیں دیکھا۔ میں ہمیشہ اپنی نظریں نیچی رکھتا تھا۔ گویا کفر کی حالت میں بُغض کی وجہ سے میں نے آپ کی شکل کو نہیں دیکھا اور ایمان کی حالت میں شدتِ محبت کی وجہ سے میں نے آپ کی شکل کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ آج اگر کوئی شخص مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا۔ میرے بیٹے! بیشک خدا تعالیٰ نے مجھے بہت سی نیکیوں کی توفیق دی ہے لیکن آپ کی وفات کے بعد جھگڑے ہوتے رہے بعض غلطیاں بھی ہم سے ہوئیں نہ معلوم اب میں کس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکل دکھاؤں گا۔ دیکھو یہ کتنے بڑے دشمن تھے جو دن اور رات آپؐ کی دشمنی کرتے تھے مگر بعد میں انہیں ایسا ایمان نصیب ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو محبت کی چھری سے ذبح کر لیا۔

پھر ابوجہل کو دیکھو۔ وہ کتنا بڑا دشمن تھا اس کا بیٹا عکرمہؓ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور پھر اس نے جو قربانی صحابہؓ کو بچانے کیلئے کی وہ بھی ایسی شاندار ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ آپ صحابہؓ کی جانوں کو بچانے کیلئے ایک ایسے لشکر میں گھس گئے جس کی تین لاکھ سے دس لاکھ تک تعداد بتائی جاتی ہے قلبِ لشکر میں جاتے ہی آپ نے کمانڈر انچیف کو زخمی کیا اور حملہ کر کے قلبِ لشکر میں انتشار پیدا کر دیا اور پھر وہیں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ابوسفیان تو آپ کی زندگی میں ہی آپ کا

شکار ہو گیا تھا۔ پھر اُسی کا بیٹا معاویہؓ تھا جو اسلام کا ایک پہلوان ہوا۔ بے شک ان سے بعض غلطیاں بھی ہوئیں مگر انہوں نے اسلام کی نہایت شاندار خدمت سرانجام دی ہے۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے تو صرف پلو ٹھے مرے مگر یہاں دشمن کی ساری اولادیں مرگئیں۔ وہ آپ پر ایمان لے آئیں اور اپنے باپوں سے کٹ کر روحانی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں شامل ہو گئیں۔

(14) پھر قحط کا نشان حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر ایک سال کا قحط آیا۔ ٹڈی آئی اور فصلوں کو کھا گئی۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر سات سال کا قحط پڑا۔ آخر انہوں نے آپؐ سے دعائیں کروائیں تب اس عذاب سے انہیں نجات حاصل ہوئی۔

(15) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھی مگر جیسا کہ قرآن کریم اور تورات دونوں سے معلوم ہوتا ہے آپ اُسے برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو کر گر گئے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تڑپ پیدا ہوئی اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی طرف اسکی ملاقات کیلئے صعود شروع کیا اِدھر خدا تعالیٰ کے دل میں آپ کی وہ محبت موجزن تھی کہ وہ خود نیچے اُتر آیا تا کہ ملاقات میں دیر نہ ہو۔ پھر وہ دونوں مل کر ویسے ہی نہیں آگئے بلکہ فرمایا فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب دو آدمیوں میں پیار و محبت ہو جاتی تھی تو وہ ایک ہی کمان سے تیر چلاتے تھے اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ جدھر اُس کا تیر جائے گا اُدھر ہی میرا تیر جائیگا اور جدھر میرا تیر جائے گا اُدھر ہی اس کا تیر جائے گا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے معاہدہ کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج سے جدھر تمہارا تیر چلے گا اُدھر ہی میرا تیر چلے گا اور جدھر میرا تیر چلے گا اُدھر ہی تیرا تیر چلے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ادھر ہی تیر چلایا جدھر خدا تعالیٰ نے تیر چلایا۔ خواہ آپ کا وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور خدا تعالیٰ کو بھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اتنا پیار تھا کہ اُس نے بھی اُدھر ہی تیر چلایا جدھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر چلایا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال ع 2) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تُو نے دشمن کی طرف کنکروں کی مٹھی پھینکی تو وہ کنکر تو نے نہیں پھینکے ہم نے پھینکے تھے کیونکہ ہمارا تم سے یہ وعدہ تھا کہ جدھر تمہارا تیرا چلے گا اُدھر ہی ہمارا تیر چلے گا۔ یہ تو دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا سلوک تھا۔ اب دوستی کا حال دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح ع 1) تیری بیعت کرنے والوں اور تیری غلامی میں شامل ہونے والوں پر ہمارا ہاتھ ہے کیونکہ انہوں نے تیرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا ہے۔ غرض محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ دونوں ایک ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ اگر تیر چلتا تھا تو دونوں کا ایک طرف چلتا تھا اور اگر کسی طرف نگاہِ لطف اُٹھتی تھی تو وہ دونوں کی اُسی طرف اُٹھتی تھی۔ یہ کتنی بڑی تجلی ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کی۔ اس کے مقابلہ میں موسوی تجلی کیا حقیقت رکھتی ہے۔

(16) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف کتاب ملی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب کے علاوہ کلام اللہ بھی دیا گیا اور ان دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ کتاب کے معنے حکم کے ہوتے ہیں اور اُسے دوسرے الفاظ میں بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن کلام اللہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ گویا کتاب کے مفہوم میں الفاظ کی شرط نہیں مگر کلام اللہ میں الفاظ کی شرط ہے۔

شاہان عرب میں یہ رواج تھا کہ وہ بڑے بڑے ادیبوں کو وزیر مقرر کیا کرتے تھے۔ ایک بادشاہ کا وزیر بات کرتے وقت ہکلاتا تھا اور وہ 'ر' نہیں بول سکتا تھا جیسے بعض بچے 'ر' کی جگہ 'ل' بول دیتے ہیں مثلاً 'میری کتاب' کہنا ہو تو وہ کہیں گے 'میلی کتاب' اسی طرح وہ وزیر بھی 'ر' کی بجائے 'ل' بولتا تھا۔ کسی نے بادشاہ کو طعنہ دیا کہ تُو نے بڑا ادیب رکھا ہوا ہے اس کی تو زبان میں نقص ہے اگر کوئی بادشاہ تمہارے پاس آ گیا تو تمہاری ذلّت ہو گی۔ بادشاہ نے کہا مجھے تو ابھی تک محسوس نہیں ہوا کہ میرا وزیر یہ نقص اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ہر وقت میرے پاس رہے اور مجھے اُس کے اِس نقص کا علم نہ ہو۔ اُس شخص نے کہا میں اس کا ثبوت بہم پہنچا دیتا ہوں آپ اُسے 'ر' والے الفاظ لکھوا کر دیکھ لیں۔ بادشاہ نے وزیر کا امتحان لینے کیلئے ایک فقرہ بنایا اور اُسے بلایا۔ اس وقت یہ دستور تھا کہ بادشاہ وزراء کو آرڈر دیتے تھے اور وزیر آگے آرڈر دیا کرتا تھا۔ اگر کاتب کو کوئی چیز لکھوانی ہوتی تھی تو بادشاہ بولتا جاتا تھا اور وزیر آگے کاتب کو لکھواتا جاتا تھا۔ کاتب کی یہ شان نہیں ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ سے براہ راست مخاطب ہو بادشاہ نے کہا لکھو اَمَرَ اَمِیْرُ الْاُمَرَاءِ اَنْ يُحْبَرَ الْبِئْرُ فِی الطَّرِيْقِ لِيَشْرِبَ مِنْهُ الْمَاءَ الصَّادِرُ وَالْوَارِدُ یعنی یعنی بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ فلا راستہ میں ایک کنواں کھودا جائے تا کہ شہر سے باہر جانیوالے اور شہر کی طرف آنے والے سب لوگ اُس سے پانی پی سکیں۔ اس فقرہ میں اس نے سب 'ر' والے الفاظ جمع کر دیئے بادشاہ سے سن کر وزیر نے فوراً یہ حکم اس طرح لکھوانا شروع کیا حَكَمَ حَاكِمُ الْحُكَّامِ اَنْ يُّقْلَبَ الْقَلِيْبُ فِی السَّبِيْلِ لِيَنْتَفِعَ مِنْهُ ا لصَّادِیْ وَالْبَادِیْ۔ بادشاہ سخت حیران ہوا۔ شکایت کرنے والا ابھی پاس کھڑا تھا اس نے کہا دیکھا یہ 'ر' نہیں بول سکتا۔ بادشاہ نے کہا مجھے تو وزیر کے کسی نقص کا پتہ نہیں لگا اس کے کمال کا پتہ لگا ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ کتنی جلدی اس نے میرے حکم کو دوسرے الفاظ میں بدل دیا جس کے بعینہ وہی معنے ہیں میں ایسا قابل آدمی نہیں چھوڑ سکتا۔ پس حکم کے الفاظ کے سننے والا بدل سکتا ہے اور اس میں غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں فلاں حدیث باللفظ ہے اور فلاں حدیث بالمعنی۔ محدث کہتے ہیں کہ حدیث باللفظ وہ ہوتی ہے جس میں بعینہ وہی الفاظ ہوں جو دوسرے سے سنے ہوں۔ مثلا ایک روایت کو شام والوں نے بھی بیان کیا ہو، بخارا والوں نے بھی بیان کیا ہو، مصر والوں نے بھی بیان کیا ہو اور اس کے الفاظ ایک ہی ہوں اور ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہیں تو یہ روایت باللفظ ہو گی۔ ایسی حدیثیں عموماً چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں جن کا یاد رکھنا آسان ہوتا ہے۔ یا ان میں وزن ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ آسانی سے یاد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِی الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ یعنی دو کلمے ایسے ہیں جن کا زبان سے ادا کرنا بہت آسان ہے مگر میزان میں وہ بہت بھاری ہیں اور خدائے رحمان کو بہت محبوب ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اس حدیث کا وزن ایسا ہے کہ دماغ پر بغیر کسی قسم کا بوجھ ڈالنے کے یاد ہو جاتی ہے۔ پس مختلف راویوں سے جو روایت ایک ہی الفاظ میں پہنچی ہو اس روایت باللفظ کہتے ہیں اور روایت بالمعنی وہ ہوتی ہے جس کو بیان کرتے وقت راوی نے اپنے الفاظ استعمال کئے ہوں۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملی جسکے معنے حکم کے ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے جن میں سے آپ کو کچھ احکام تو لفظاً لفظاً یاد رہ گئے اور باقی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا اور وہ تورات میں درج ہو گئے مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کلام اللہ دیا گیا جسکے الفاظ اوّل سے آخر تک وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں۔ گویا سورۃ فاتحہ کی 'ب' سے لیکر سورۃ الناس کی 'س' تک نہ کوئی لفظ ایسا ہے اور نہ کوئی زیر اور زبر جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے شامل کر دیا ہو بلکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتنی بڑی فضیلت ہے کوئی عیسائی یا یہودی تورات کے متعلق قسم نہیں کھا سکتا کہ یہ وہی کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کوئی عیسائی یا یہودی بھلا یہ قسم کھا کر کہہ تو دے کہ میرے بیوی بچوں کو خدا تعالیٰ تباہ کر دے اور اگلے جہان میں بھی اُن پر لعنت ہو اگر تورات کے الفاظ وہی نہ ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترے تھے۔ کوئی عیسائی یا یہودی ایسی قسم نہیں کھا سکتا لیکن ہم قرآن کریم کے متعلق یہ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں آج بھی اور آئندہ بھی کہ اگر یہ وہی الفاظ نہ ہوں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے تو ہمارے بیوی بچوں کو خدا تعالیٰ تباہ کرے اور اگلے جہاں میں بھی ان پر لعنت ہو۔ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حاصل ہوئی۔ (تفسیر کبیر، جلد 10، صفحہ 251 تا 267)

......☆......☆......☆......

نعت خیر البشرؐ

کلام حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

السلام ! اے ہادیٔ راہ ہدیٰ جان جہاں
والصلوٰۃ ! اے خیر مطلق اے شہ کون ومکاں

تیرے ملنے سے ملا ہم کو وہ ’’مقصود حیات‘‘
تجھ کو پاکر ہم نے پایا ’’کام دل‘‘ آرام جاں

آپ چل کر تو نے دکھلا دی رَہِ وصل حبیب
تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یار بے نشاں

ہے کشادہ آپؐ کا باب سخا سب کے لئے
زیرِ احساں کیوں نہ ہوں پھر مرد و زن پیر و جواں

تشنہ روحیں ہو گئیں سیراب تیرے فیض سے
علم و عرفانِ خُداوندی کے بحر بیکراں

ایک ہی زِینہ ہے اب بامِ مُراد وصل کا
بے ملے تیرے ملے ممکن نہیں وہ دِلستاں

تو وہ آئینہ ہے جس نے منہ دِکھایا یار کا
جسم خاکی کو عطا کی روح اے جان جہاں

تا قیامت جو رہے تازہ تری تعلیم ہے
تو ہے روحانی مریضوں کا طبیبِ جاوداں

ہے یہی ماہِ مبیں جس پر زوال آتا نہیں
ہے یہی گلشن جسے چھوتی نہیں بادِ خزاں

’’کوئی رہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں‘‘
خوب فرمایا یہ نکتہ مہدی آخر زماں

یہ دُعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگ آستاں

ظہور خیر الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کلام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

اِک رات مفاسد کی وہ تیرہ و تار آئی جو نور کی ہر مشعل ظلمات پہ وار آئی
تاریکی پہ تاریکی گمراہی پہ گمراہی ابلیس نے کی اپنے لشکر کی صف آرائی
طوفان مفاسد میں غرق ہوگئے بحر و برّ ایرانی و فارانی رومی و بخارائی

بن بیٹھے خدا بندے دیکھا نہ مقام اس کا
طاغوت کے چیلوں نے ہتھیا لیا نام اُس کا

تب عرشِ معلّیٰ سے اِک نور کا تخت اُترا اِک فوج فرشتوں کی ہمراہ سوار آئی
اِک ساعتِ نورانی خورشید سے روشن تر پہلو میں لئے جلوے بے حد و شمار آئی
کافور ہوا باطل سب ظلم ہوئے زائل اُس شمس نے دکھلائی جب شانِ خود آرائی

ابلیس ہوا غارت چوپٹ ہوا کام اُس کا
توحید کی یورش نے در چھوڑا نہ بام اُس کا

مَیں ہمیشہ
تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں
کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے
(ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس
عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں
ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں
افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُسکے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا
وہ توحید جو دُنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اُسکو دنیا میں لایا

ارشاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی اُن کو نجاست سے اُٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا۔ اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے اُن کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ اُن کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر اُن کے لئے نشان ظاہر کئے کہ اُنکو خدا دکھلا دیا اور اُن میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ اُنہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمّت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ اُن کے صحبت یاب ناقص رہے۔ پس مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اِس لئے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیا اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اُس کی مرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اُس کے کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے، وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذُرّیّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اُس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسکے نُور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اُس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 118 تا 119)

★...★...★

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ کے قلم سے

اِبتدائی زندگی

ولادت باسعادت

آمنہ کے نور کے ظہور کا وقت نزدیک آرہا تھا اور وضعِ حمل کے دن قریب تھے۔ وہ شعبِ بنی ہاشم میں رہتی تھیں اور اس وقت کے انتظار میں تھیں کہ جب اُن کے مرحوم شوہر کی یاد کو زندہ رکھنے والا بچہ دُنیا کی روشنی میں آوے اور انکے صدمہ رسیدہ دل کیلئے تسکین وراحت کا موجب ہو۔ چنانچہ واقعہ اصحاب الفیل کے پچپیس روز بعد 12/ربیع الاوّل مطابق 20/ اگست 570 عیسوی کو یا ایک جدید اور غالباً صحیح تحقیق کی رُو سے 9/ربیع الاوّل مطابق 20/ اپریل 571ء بروز پیر بوقت صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ واقعہ فیل کے اس قدر متصل آنحضرت ﷺ کی ولادت کا ہونا اپنے اندر یہ خدائی اشارہ رکھتا تھا کہ جس طرح خدا نے کعبہ کے خلاف اس ظاہری حملہ کو خائب وخاسر کیا ہے اسی طرح اب وقت آتا ہے کہ دینِ الٰہی کے مقابل پر باطل پرستی کا سر کچلا جائے اور قرآن شریف میں اصحاب الفیل کے حملہ کا ذکر بھی بظاہر اسی غرض وغایت کے ماتحت نظر آتا ہے۔ بہرحال بچہ کے پیدا ہوتے ہی آمنہ نے عبدالمطلب کو اطلاع بھجوا دی جو سُنتے ہی فوراً خوشی کے جوش میں آمنہ کے پاس چلے آئے۔ آمنہ نے اُن کے سامنے لڑکا پیش کیا اور کہا کہ مَیں نے ایک خواب میں اس کا نام محمدؐ دیکھا تھا۔ عبدالمطلب بچے کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر بیت اللہ میں لے گئے اور وہاں جا کر خدا کا شُکر ادا کیا اور بچے کا نام محمدؐ رکھا جس کے معنے ہیں ”بہت قابلِ تعریف“ اور پھر اسے واپس لاکر خوشی خوشی ماں کے سُپرد کر دیا۔

مؤرخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق بعض عجیب عجیب واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس وقت کسریٰ شہنشاہِ ایران کے محل میں سخت زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کا مقدس آتشکدہ جو صدیوں سے برابر روشن چلا آتا تھا دفعۃً بجھ گیا اور بعض دریا اور چشمے خشک ہو گئے اور یہ کہ آپ کے اپنے گھر میں بھی رنگا رنگ کے کرشمے ظاہر ہوئے وغیرہ ذالک۔ مگر یہ روایتیں عموماً کمزور ہیں۔ یہ بھی روایت آتی ہے جو غالباً صحیح ہے کہ آپؐ کے ولادت کے زمانہ میں آسمان پر غیر معمولی کثرت کے ساتھ ستارے ٹوٹتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے۔ اگر یہ درست ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بعض اوقات بچوں میں اس قسم کی قدرتی باتیں دیکھی گئی ہیں۔ ایک اور بات بھی آپ میں قدرتی طور پر تھی اور وہ یہ کہ آپ کی پُشت پر بائیں جانب ایک گوشت کا اُٹھا ہوا ٹکڑا تھا جو عام طور پر مسلمانوں میں ختم نبوت یعنی مُہر نبوت کے نام سے مشہور ہے۔

رضاعت اور ایام طفولیت

مکّہ کے شرفاء میں یہ دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ نہ پلاتی تھیں بلکہ عام طور پر بچے شہر سے باہر بدوی لوگوں میں دائیوں کے سُپرد کر دیئے جاتے تھے اس کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ جنگل کی کھلی ہوا میں رہ کر بچے تندرست اور طاقتور ہوتے تھے اور زبان بھی عمدہ اور صاف سیکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو شروع شروع میں آپ کی والدہ نے اور پھر ثویبہ نے دُودھ پلایا۔ ثویبہ آپؐ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی جسے ابولہب نے اپنے یتیم بھتیجے کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اسی ثویبہ نے حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ گویا اس طرح حمزہ جو آپؐ کے حقیقی چچا تھے دُودھ کے رشتہ سے آپ کے بھائی بن گئے۔ ثویبہ کی یہ چند دن کی خدمت آنحضرت صلعم کبھی نہیں بھولے۔ جب تک وہ زندہ رہی آپؐ ہمیشہ اس کی مدد فرماتے رہے اور اُس کے مرنے کے بعد بھی آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس کا کوئی رشتہ دار باقی ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ کوئی نہ تھا۔

ثویبہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت مستقل طور پر حلیمہ کے سُپرد ہوئی جو قوم ہوازن کے قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون تھی اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر مکّہ میں دایہ کے طور پر کسی بچے کی تلاش میں آئی تھی۔ ایک یتیم بچے کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے حلیمہ ابتداء خوش نہ تھی، کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ کوئی زندہ باپ والا بچہ ملے جہاں زیادہ انعام واکرام کی اُمید ہوسکتی تھی۔ چنانچہ شروع میں اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جانے سے تأمل کیا مگر جب کوئی اور بچہ نہ ملا اور اس کے ساتھ کی سب عورتوں کو بچے مل چکے تھے تو وہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر سمجھ کر آپؐ کو اپنے ساتھ لے گئی لیکن جلد ہی حلیمہ کو معلوم ہو گیا کہ جو بچہ وہ اپنے ساتھ لائی ہے اس کا ستارہ بہت بلند ہے۔ چنانچہ اُس کی اپنی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے پہلے ہم پر بہت تنگی کا وقت تھا، مگر آپ کے آنے کے ساتھ یہ تنگی فراخی میں بدل گئی اور ہماری ہر چیز میں برکت نظر آنے لگی۔ حلیمہ کا وہ لڑکا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دودھ پیتا تھا اس کا نام عبداللہ تھا اس کی ایک بڑی بہن بھی تھی جس کا نام شیما تھا جو آنحضرت ﷺ کو بہت عزیز رکھتی تھی۔

دوسال کے بعد جب رضاعت کی مدّت پوری ہوئی تو دستور کے مطابق حلیمہ آپؐ کو لے کر مکّہ میں آئی مگر اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت ہو چکی تھی کہ اُس کا دل چاہتا تھا کہ اگر ممکن ہو تو آپ کی والدہ سے اجازت لے کر آپؐ کو پھر واپس لے جاوے۔ چنانچہ اُس نے باصرار کہا کہ ابھی اس بچہ کو کچھ عرصہ اور میرے پاس رہنے دو۔ مَیں اس کا ہر طرح خیال رکھوں گی۔ آمنہ نے پہلے تو انکار کیا، مگر پھر اس کے اصرار کو دیکھ کر اور یہ خیال کر کے کہ مکّہ کی آب وہوا سے باہر کی آب وہوا اچھی ہے اور ان ایّام میں مکّہ کی آب وہوا کچھ خراب بھی تھی آمنہ نے مان لیا اور حلیمہ آپؐ کو لے کر پھر خوش خوش اپنے گھر لوٹ گئی اور اس کے بعد قریباً چار سال کی عمر تک آپؐ حلیمہ کے پاس رہے اور قبیلہ بنوسعد کے لڑکے لڑکیوں میں کھیل کود کر بڑے ہوئے۔ اس قبیلہ کی زبان خاص طور پر صاف اور فصیح تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی زبان سیکھی۔

حلیمہ آپؐ کو بہت عزیز رکھتی تھی اور قبیلہ کے تمام لوگ آپؐ کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے حلیمہ خوفزدہ ہو گئی اور آپؐ کو واپس مکّہ میں لاکر آپؐ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ یہ واقعہ تاریخ میں اس طرح پر مذکور ہے کہ ایک دفعہ آپؐ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ مل کر کھیل رہے تھے اور کوئی بڑا آدمی پاس نہ تھا کہ اچانک دو سفید پوش آدمی نظر آئے اور انہوں نے آپؐ کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور آپؐ کا سینہ چاک کر دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپؐ کا رضائی بھائی عبداللہ بن حارث بھاگا ہوا گیا اور اپنے ماں باپ کو اطلاع دی کہ میرے قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا ہے اور اس کا سینہ چاک کر رہے ہیں۔ حارث اور حلیمہ یہ سنتے ہی بھاگے آئے تو دیکھا کہ کوئی آدمی تو وہاں نہیں ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خوفزدہ حالت میں کھڑے ہیں اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ حلیمہ نے آگے بڑھ کر آپؐ کو گلے سے لگا لیا اور پوچھا ”بیٹا کیا بات ہوئی ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے سارا ماجرا بتایا اور کہا کہ وہ کوئی چیز میرے سینہ میں تلاش کرتے تھے۔ جسے اُنہوں نے نکال کر پھینک دیا۔ پھر حلیمہ اور حارث آپؐ کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور حارث نے حلیمہ سے کہا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ اس لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے۔ پس مناسب ہے کہ تو اسے فوراً لے جا اور اس کی والدہ کے سُپرد کر آ۔“ چنانچہ حلیمہ آپ کو مکّہ میں لائی اور آمنہ کے سُپرد کر دیا۔ آمنہ نے اس جلدی کا سبب پوچھا اور اصرار کیا تو حلیمہ نے انہیں یہ سارا قصّہ سُنا دیا اور یہ ڈر ظاہر کیا کہ شاید یہ لڑکا کسی جنّ وغیرہ کے اثر کے نیچے آگیا ہے۔ آمنہ نے کہا۔ ”ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میرا بیٹا بڑی شان والا ہے۔ جب یہ حمل میں تھا تو مَیں نے دیکھا تھا کہ میرے اندر سے ایک نُور نکلا ہے جو دُور دراز ملکوں تک پھیل گیا ہے۔

اس واقعہ کی فی الجملہ تائید صحیح مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اَنسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب کہ آنحضرت ﷺ بعض بچوں کے ساتھ مل کر کھیل رہے تھے آپؐ کے پاس جبرائیلؑ آئے اور آپؐ کو زمین پر لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کر دیا اور پھر آپؐ کے سینہ کے اندر سے آپؐ کا دل

نکالا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور ساتھ ہی کہا کہ یہ کمزوریوں کی آلائش تھی جو اَب تم سے جُدا کر دی گئی ہے۔ اسکے بعد جبرائیل نے آپؐ کے دل کو مصفّٰی پانی سے دھویا اور سینہ میں واپس رکھ کر اُسے پھر جوڑ دیا۔ جب بچوں نے جبرائیل کو آپؐ کو زمین پر گراتے اور سینہ چاک کرتے ہوئے دیکھا تو وہ گھبرا کر دَوڑے ہوئے آپؐ کی دائی کے پاس گئے اور کہا کہ محمد کو کِسی نے قتل کر دیا ہے۔ جب یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو فرشتہ غائب تھا اور آپؐ ایک خوفزدہ حالت میں کھڑے تھے۔ صحیح مسلم کی تصدیق کے بعد ابنِ ہشام کی روایت کو ایک ایسی تقویت حاصل ہو جاتی ہے کہ بلا کسی قوی دلیل کے ہم اسے کمزور کہہ کر ردّ نہیں کر سکتے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ایک کشفی نظارہ تھا۔ چنانچہ شقِّ صدر کی ظاہری علامات کا مفقود ہونا یعنی اس وقت آپؐ کی دائی وغیرہ کو اُس کی کسی ظاہری علامات کا نظر نہ آنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک کشف تھا جس کا دائرہ دوسرے بچوں تک بھی وسیع ہو گیا اور جیسا کہ خود اس کشف کے اندر یہ تصریح ہے اس سے مراد یہ تھی کہ خدائی فرشتہ نے متمثل ہو کر عالمِ کشف میں آپؐ کا سینہ چاک کیا اور تمام کمزوریوں کی آلائش آپ کے اندر سے نکال دی۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ معراج کی رات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی قسم کے شقِّ صدر کا واقعہ ہوا اور فرشتوں نے آپ کا دل نکال کر زمزم کے مصفّا پانی سے دھویا اور پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ سر ولیم میور نے اس واقعہ کا ذکر کر کے طعن کے رنگ میں یہ ریمارک کیا ہے کہ نعوذ باللہ یہ ایک مِرگی کا دورہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ ہم کسی کی زبان کو تو نہیں روک سکتے مگر یقینا میور صاحب نے یہ اعتراض کرتے ہوئے پَرلے درجے کے تعصب سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اوّل تو سب لوگ جانتے ہیں کہ مِرگی کا بیمار ایک کمزور دماغ والا انسان ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خود میور صاحب کو اقرار ہے کہ آپؐ بہترین قوائے جسمانی کے مالک تھے۔ علاوہ ازیں خود یہ روایت بھی جس کی بناء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے اس اعتراض کا رد کرتی ہے۔ کیونکہ روایات میں یہ صاف لکھا ہے کہ اس نظارہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی نے بھی دیکھا اور اُسی نے بھاگ کر اپنے والدین کو اطلاع دی کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید پوش آدمی زمین پر گِرا کر اس کا سینہ چاک کر رہے ہیں۔ کیا دُنیا میں کوئی مرگی ایسی بھی ہوتی ہے جس کے متعلق دوسرے لوگ اس قسم کے نظارہ کی شہادت دیں۔ بے شک وہ شخص جسے مرگی کا دورہ پڑتا ہے وہ خود اپنے خیال میں یہ گمان کر سکتا ہے کہ اُسے کسی نے پکڑ کر زمین پر دے مارا ہے لیکن یہ کہ اُسے دیکھنے والے لوگ بھی اس قسم کا نظارہ دیکھیں یہ ایک ایسی بات ہے جسے سوائے ایک متعصّب انسان کے کوئی شخص زبان پر نہیں لا سکتا۔

بہرحال جب آپؐ کی عمر چار سال کی ہوئی تو حلیمہ آپ کو واپس لا کر آپؐ کی والدہ کے سُپرد کر گئی۔ یہ چار سالہ خدمت حلیمہ کی کوئی معمولی خدمت نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو چھوٹی سے چھوٹی خدمت کو بھی فراموش نہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے عمر بھر حلیمہ کی یہ خدمت یاد رکھی اور ہمیشہ اس کے ساتھ نہایت اعلیٰ سلوک کیا۔ چنانچہ جب مُلک میں ایک دفعہ قحط پڑا اور حلیمہ مکّہ میں آئی تو آپؐ نے اُسے چالیس بکریاں اور ایک اُونٹ عطا فرمایا۔ زمانۂ نبوت میں وُہ ایک دفعہ آئی تو آپؐ نے اُسے دیکھتے ہی ''میری ماں ! میری ماں!!'' کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اُوپر کی چادر اُتار کر اُس کے نیچے بچھائی۔ پھر جب ایک جنگ (یعنی جنگِ حُنین) میں قبیلہ ہوازن کے ہزار ہا قیدی پکڑے ہوئے آئے تو آپ نے اسی رشتہ کی خاطر ان سب کو رہا کر دیا اور ایک پائی بھی اُن قیدیوں کے فدیہ میں نہیں لی۔ اور اپنی ایک رضاعی بہن کو جو اُن قیدیوں میں آئی تھی انعام سے مالا مال کر کے واپس کیا۔ حلیمہ اور اس کے خاوند حارث کے اسلام لانے کے متعلق اختلاف ہے، مگر راجح قول یہی ہے کہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور اسلام کی حالت میں فوت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ اور بہن شیما نے بھی اسلام پر وفات پائی۔

والدہ کی کفالت اور سفرِ یثرب

جب حلیمہ آپؐ کو آپؐ کی والدہ کے پاس واپس لائی تو آپؐ کی عمر کم وبیش چار سال کی تھی۔ اس کے بعد آپؐ اپنی والدہ کی کفالت میں رہے۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو اپنے رشتہ دار بنو نجار سے ملنے کی غرض سے آمنہ یثرب گئیں اور آپؐ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ اُمّ ایمن بھی ساتھ تھی۔ ممکن ہے اس سفر میں آمنہ کو اپنے مرحوم شوہر کے مزار دیکھنے کا بھی خیال ہو۔ بہرحال وہ یثرب گئیں اور وہاں تقریباً ایک مہینہ تک قیام کیا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ زمانہ آخر عمر تک یاد رہا۔ قریباً پچاس سال کے بعد جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو آپؐ نے صحابہ کو وہ مکان بتایا جہاں آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ ٹھہرے تھے اور وہ جگہ بتائی جہاں آپؐ مدینہ کے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلا کرتے تھے اور وہ تالاب بھی دکھایا جہاں آپؐ نے تیرنے کی مشق کی تھی۔

والدہ کی وفات

قریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد آمنہ واپس روانہ ہوئیں مگر اپنے شوہر کی طرح اُن کی موت بھی غریب الوطنی میں ہی مقدّر تھی چنانچہ راستہ میں ہی بیمار ہو گئیں اور مقام ابواء میں انتقال کیا اور یہیں دفن کی گئیں۔ زمانہ نبوت میں جب آپؐ ایک دفعہ اس مقام پر سے گذرے تو اپنی والدہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے اور اُسے دیکھ کر چشم پُر آب ہو گئے۔ صحابہ نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ ''اللہ نے مجھے یہ تو اجازت دی کہ مَیں اپنی والدہ کی قبر کو دیکھوں لیکن دُعا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کی والدہ کی مغفرت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا۔ لیکن اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور موقعوں پر فرمایا ہے کہ جو شخص شِرک کی حالت میں فوت ہو اُس کیلئے دُعا مانگنا دُرست نہیں ہے بلکہ اس کے معاملہ کو خُدا کے سُپرد کرنا چاہئے۔

والدہ کی وفات ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یُتم کی پوری پوری حالت میں آ گئے اور چھوٹی عمر میں وطن سے باہر عزیز واقرباء سے دُور ماں کی جدائی کا صدمہ ایسی حالت میں کہ باپ پہلے ہی گذر چکا ہو کوئی معمولی صدمہ نہیں۔ چنانچہ ان باتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ایک گہرا اور مستقل اثر ڈالا۔ بے شک آپؐ اللہ کی طرف سے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کئے گئے۔ مگر ظاہری اسباب کے لحاظ سے ان باتوں کا بھی آپؐ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا اور ایک حد تک یہ انہی ابتدائی صدموں کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے اخلاق میں غرباء کی محبت اور مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی نے ایک خاص ممتاز رنگ اختیار کیا۔ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یُتم کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی○وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی○ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ○ (الضحیٰ: 7 تا 10) ''یعنی کیا ہم نے تجھے یتیم پا کر پناہ نہیں دی۔ پس اب تیرا فرض ہے کہ تو بھی یتیموں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا سلوک کرے۔''

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خادمہ ام ایمن کے ساتھ مکّہ پہنچے۔ یہ امّ ایمن وہی ہے جو آپؐ کے والد کی وفات پر ایک لونڈی کی حیثیت میں آپؐ کو ورثہ میں پہنچی تھی۔ بڑے ہو کر آپؐ نے اسے آزاد کر دیا تھا اور اس کے ساتھ بہت احسان کا سلوک فرماتے تھے۔ بعد میں ام ایمن کی شادی آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ ہو گئی اور اسکے بطن سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ امِّ ایمن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہی۔ بہرحال والدہ کی وفات کے بعد آپؐ امّ ایمن کے ساتھ مکّہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر آپ کو عبدالمطلب نے براہ راست اپنی کفالت میں لے لیا۔ عبدالمطلب آپؐ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو آپؐ کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے ساتھ بہت بے تکلف ہو گئے۔ عبدالمطلب کی عادت تھی کہ صحن کعبہ میں فرش بچھا کر بیٹھا کرتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس فرش پر ان کے ساتھ بیٹھ سکے۔ حتیٰ کہ عبدالمطلب کے اپنے لڑکے بھی ہٹ کر بیٹھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محبت کے جوش میں سیدھے عبدالمطلب کے پاس جا بیٹھتے تھے اور وہ آپؐ کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ آپؐ کے چچا بعض اوقات آپؐ کو فرش پر بیٹھنے سے روکتے تو عبدالمطلب ان کو منع کر دیتے اور کہتے کہ اسے تم کچھ نہ کہو۔

عبدالمطلب کی وفات

اسی محبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دن گذر رہے تھے کہ عبدالمطلب کو بھی پیغامِ اجل آ گیا جب ان کا جنازہ اُٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ تھے اور روتے جاتے تھے۔ یہ تیسرا صدمہ تھا جو آپ کو بچپن میں اُٹھانا پڑا۔ اس وقت آپؐ کی عمر آٹھ سال کی تھی اور عبدالمطلب کی عمر اختلاف

روایات کے ساتھ اسی سال سے لے کر ایک سو چالیس سال کی تھی۔

مختلف بیویوں سے عبدالمطلب کے کئی بیٹے تھے جن میں سے زیادہ معروف کے نام یہ ہیں۔ حارث، زبیر، ابو طالب، ابولہب، عبد اللہ، عباس اور حمزہ۔ ان میں ابو طالب اور عبد اللہ کی ماں ایک تھی اور غالباً اسی نسبت سے عبد المطلب نے مرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی کفالت میں دیا اور ان کو آپؐ کا خاص خیال رکھنے کی وصیت کی۔ چنانچہ اس وقت سے آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں رہنے لگے۔ قومی کاموں میں سے سقایہ اور رفادہ کا کام جو عبدالمطلب کے پاس تھا وہ انہوں نے اپنے زندہ لڑکوں میں سے بڑے لڑکے زبیر کے سُپرد کیا۔ مگر چونکہ یہ کام بہت سا روپیہ چاہتا تھا اس لئے زبیر نے اپنی طاقت سے زیادہ دیکھ کر دونوں کام ابوطالب کے سُپرد کر دیئے لیکن ابو طالب بھی غریب آدمی تھے اس لئے رفادہ کا کام بنونوفل کی طرف منتقل ہو گیا اور سقایہ کا کام ابوطالب نے بالآخر عباس کے سُپرد کر دیا جو نسبتاً ایک امیر آدمی تھے۔

اس موقع پر یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ عبدالمطلب کی زندگی تک تو بنو ہاشم نہایت معزز ومکرم تھے اور گویا تمام قبائل قریش میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے لیکن انکی وفات کے بعد بنو ہاشم میں سے کوئی ایسا شخص نہ نکلا جو اس اعزاز کو قائم رکھ سکے اس لیے قریش کی عام سرداری ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور بنو ہاشم کے رقیب بنو امیہ آہستہ آہستہ بہت زور پکڑ گئے۔

ابوطالب کی کفالت

ابو طالب نے اپنے والد کی وصیت پر نہایت دیانت اور خوبی سے عمل کیا اور اپنے بچوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھا۔ ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے اور رات کے وقت بھی عموماً اپنے ساتھ ہی سلاتے تھے۔

سفرِ شام اور واقعہ بحیرا راہب

جب آپؐ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو ابو طالب کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر پیش آ گیا۔ چونکہ سفر لمبا اور کٹھن تھا اس لیے اُنہوں نے ارادہ کیا کہ آپؐ کو مکّہ ہی میں چھوڑ جائیں۔ مگر آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کی جدائی نہایت شاق تھی۔ چنانچہ روانگی کے وقت جوشِ محبت میں آپؐ ابوطالب سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر ابو طالب کا دل بھر آیا اور وہ آپؐ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

شام کے جنوب میں بُصریٰ ایک مشہور مقام ہے، وہاں پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہاں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جس کا نام بحیرا تھا۔ جب قریش کا قافلہ اُس کی خانقاہ کے پاس پہنچا تو اس راہب نے دیکھا کہ تمام پتھر اور درخت وغیرہ یکلخت سجدہ میں گر گئے۔ اُسے معلوم تھا کہ الٰہی نوشتوں کی رُو سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اس لیے اُس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ اس قافلے میں وہی نبی موجود ہوگا۔ چنانچہ اُس نے اپنے قیافہ سے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا اور اس سے ابو طالب کو اطلاع دی اور ابوطالب کو نصیحت کی کہ آپؐ کو اہلِ کتاب کے شَر سے محفوظ رکھیں۔

علمِ روایت کی رُو سے اس واقعہ کی سند کمزور ہے لیکن اگر فی الحقیقت ایسا واقعہ گذرا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔ درختوں وغیرہ کا سجدہ کرنا راہب کا ایک کشفی نظارہ سمجھا جائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے لحاظ سے کوئی غیر معمولی بات نہیں۔

کیا اسلام مسیحیت سے متاثر ہوا ہے؟

اس جگہ یہ ذکر ضروری ہے کہ میور صاحب اور بعض دوسرے غیر مسلم مؤرخین نے بحیرا راہب کے واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے جن میں آنحضرت ﷺ کا دعویٰ سے پہلے کسی عیسائی سے ملنا بیان ہوا ہے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ مسیحیت سے متاثر ہو کر کیا تھا اور آپؐ کی تعلیم اسی اثر کا نتیجہ تھی۔ مگر یہ خیال بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے اور جس شخص کو آپؐ کی تعلیم اور سوانح کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ ہے اور تعصب نے اُس کی آنکھ پر پَردہ نہیں ڈال رکھا وہ اس اعتراض سے کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ بے شک یہ دُرست ہے کہ ہر ذی عقل انسان اپنی استعداد کے مطابق اپنے ماحول کا مطالعہ کرتا ہے اور ماحول کے حسن وقبح کے نتیجہ میں اچھے یا بُرے تاثرات کا قائم ہونا بھی ایک فطری امر ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عیسائی کے ساتھ بعثت سے پہلے ملے ہوں گے اور آپؐ کو عیسائیت کی تعلیم کے سُننے کا موقع میسر آیا ہوگا تو طبعاً آپ کے دل میں اس کے اچھے اور بُرے حصوں کے متعلق تأثرات بھی پیدا ہوئے ہوں گے۔ مگر یہ خیال قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ آپ کی نبوت اور تعلیم ان تأثرات کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ اوّل تو بعثت سے پہلے آپ کا کسی عیسائی سے ایسے حالات میں ملنا ثابت نہیں کہ جس کے متعلق یہ سمجھا جاسکے کہ اُس نے آپؐ کی طبیعت پر کوئی گہرا اور مستقل اثر چھوڑا ہو۔ لیکن اگر بالفرض اس قسم کا کوئی اثر تھا بھی تو یقیناً وہ کوئی اچھا اثر نہیں تھا۔ کیونکہ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے کہ آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم میں عیسائیت کے اکثر اصولی مسائل سے شدید اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً موجود الوقت عیسائی مذہب کی بنیاد زیادہ تر اُلوہیتِ مسیح، تثلیث اور کفّارہ کے عقائد پر ہے۔ مگر ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ قرآن شریف میں اِن تینوں مسائل کے خلاف نہایت سختی سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مسیح کی مزعومہ خدائی اور اِبنیت کے متعلق یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ قریب ہے کہ اس سے زمین وآسمان پھٹ جائیں۔ اندریں حالات اسلام کی تعلیم کو عیسائیت کی طرف منسوب کرنا ایک مجنونانہ کوشش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

باقی رہا یہ امر کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح ناصری کی تعریف کی گئی ہے سو اس سے بھی مندرجہ بالا اعتراض کی تائید میں کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اوّل تو حضرت مسیح کی جو تعریف کی گئی ہے وہ بطور ایک نبی کے ہے نہ کہ بطور ابن اللہ یا خدا ہونے کے جو عیسائی مذہب کا دعویٰ ہے۔ دوسرے یہ تعریف حضرت مسیح کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن شریف نے سارے گذشتہ انبیاء کی تعریف کی ہے اور انہیں نہایت بزرگ اور قابلِ احترام ہستیاں قرار دیا ہے بلکہ قرآن شریف نے بڑے زور کے ساتھ اس اصول کو پیش کیا ہے کہ دُنیا کی ساری قوموں میں خدا کے رسول گذرے ہیں اور اس طرح اُس نے مسلمانوں کے دلوں میں تمام اقوامِ عالم کے بزرگوں کی عزّت قائم کر دی ہے مگر یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ حضرت مسیح کی خدائیت اور عیسائی مذہب کے دوسرے اصولی عقائد کو اسلام نے نہایت سختی کے ساتھ ردّ کیا ہے اور حضرت مسیح کو ایک انسان رسُول سے زیادہ حیثیت نہیں دی جو اپنی زندگی کے دن گذار کر دوسرے رسُولوں کی طرح وفات پا گئے پس مسیحی مذہب سے متأثر ہونے کا اعتراض بالکل غلط اور باطل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ مسیحی مذہب کی بعض دینی اور اخلاقی تعلیمات اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں جس سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اسلام نے اِن تعلیمات کو مسیحیت سے اخذ کیا ہے تو یہ بھی ایک فضول اعتراض ہوگا کیونکہ اوّل تو جب کہ اسلام اور موجود الوقت مسیحیت کی بہت سی اصولی تعلیمات ایک دوسرے سے بالکل جُدا ہیں تو کسی ضمنی حِصّہ میں ان دو تعلیموں کا آپس میں متشابہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں سمجھا جاسکتا کہ ایک تعلیم دُوسرے سے ماخوذ ہے۔ دوسرے جب کہ اسلام حضرت مسیح کو خُدا کا ایک برگزیدہ رسُول قرار دیتا ہے اور خود بھی خُدا کی طرف سے ہونے کا مدعی ہے تو یہ لازمی تھا کہ بوجہ ایک ہی منبع سے نکلی ہوئی چیزیں ہونے کے اسلام اور مسیحیت کی بعض تعلیمیں ایک دوسرے کے متشابہ ہوتیں۔ کیونکہ بہرحال ہدایت کے اصول ہر زمانہ اور ہر قوم کیلئے ایک ہی ہیں۔ تیسرے قرآن شریف خود اس بات کا مدعی ہے کہ اس نے سب گذشتہ تعلیموں کی دائمی صداقتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (سورة بینہ: 4) یعنی قرآن کے اندر تمام گذشتہ صُحف کی پختہ اور مستقل باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ پس اس جہت سے بھی مسیحیت کی کوئی خصوصیّت ثابت نہیں ہوتی۔

اس جگہ یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ قرآن شریف نے اپنے اس خاصہ کو کہ اس میں گذشتہ تعلیمات کی سب دائمی صداقتیں اور پختہ اور مستقل باتیں شامل کر دی گئی ہیں ایک کمال کے رنگ میں پیش کیا ہے اور اس پہلو سے اسے گویا ایک شہد کی مکھی سے تشبیہہ دی ہے۔ جو ہر قسم کے پھَل اور پھُول سے اُس کا جوہر لے کر باریک در باریک کیمیائی رنگ میں ایک نہایت لطیف چیز تیار کر دیتی ہے جو باوجود مختلف پھلوں اور پھولوں کا جوہر ہونے کے ایک بالکل ہی نئی چیز ہوتی ہے جسے کسی خاص پھل یا پھول کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں قرآن شریف نے صرف گذشتہ صحف ہی سے اُن کی پختہ تعلیمات کو اخذ نہیں کیا بلکہ چونکہ وہ ایک دائمی شریعت کا حامل ہے اس لئے اس نے قیامت تک کی ضروریات کے پیشِ نظر بہت سی نئی باتوں کو بھی زائد کر کے ایک کامل اور اَبدی شریعت پیش کی ہے اور خدا کی طرف سے اس میں ایسے خواص ودیعت کر دیئے گئے ہیں کہ اس ظاہری عالَم کی طرح وہ قیامت تک کیلئے بنی نوع انسان کی دینی ضروریات کا سامان اپنے اندر مخفی رکھتا ہے جو حسبِ ضرورت ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ دراصل قرآن شریف مندرجہ ذیل تعلیمات کا مجموعہ ہے:

اوّل۔گذشتہ صحف کے وہ حصے جو ایک دائمی اور عالمگیر شریعت کا جزو بن سکتے تھے۔

دوم ۔آئندہ کے لئے مختلف اقوامِ عالم کی ضروریات کے مناسبِ حال مستقل تعلیم جو حقوق العباد اور حقوق اللہ کی کامل ادائیگی اور ہر قسم کی اخلاقی اور رُوحانی ترقی کے لئے قیامت تک کے لئے ضروری تھی۔

بہرحال یہ خیال کہ قرآن شریف یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میسیحیت یا کسی اور مذہب کی تعلیم کا نتیجہ تھی، بالکل غلط اور باطل ہے اور ایسا دعویٰ وہی شخص کرسکتا ہے جو اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیم سے قطعاً نابلد ہے اور بالخصوص بحیرا راہب وغیرہ کی ملاقات کی طرف اسلامی تعلیمات کو منسوب کرنا تو ایک بالکل ہی مضحکہ خیز بات ہے جو کسی دانا شخص کی زبان پر نہیں آسکتی۔

آپؐ کا بکریاں چرانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شام کے سفر سے واپس آئے تو بدستور ابوطالب کے پاس ہی رہتے تھے مگر چونکہ عرب میں بچوں کو عموماً مویشی چرانے کے کام پر لگا دیتے تھے اس لئے اس زمانہ میں آپؐ نے بھی کبھی کبھی یہ کام کیا اور بکریاں چرائیں۔زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ بکریاں چرانا بھی انبیاء کی سنت ہے اور مَیں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔چنانچہ ایک موقع پر سفر میں آپؐ کے اصحاب جنگل میں پیلو جمع کر کے کھانے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔کالے کالے پیلو تلاش کر کے کھاؤ۔کیونکہ جب مَیں بکریاں چرایا کرتا تھا تو اس وقت کا میرا تجربہ ہے کہ کالے رنگ کے پیلو زیادہ عمدہ ہوتے ہیں۔

بدیوں سے خُدائی حفاظت

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک رات اپنے ساتھی سے کہا جو بکریاں چرانے میں آپؐ کا شریک تھا کہ تم میری بکریوں کا خیال رکھو تا کہ مَیں ذرا شہر جا کر لوگوں کی مجلس دیکھ آؤں۔ان دنوں میں دستور تھا کہ رات کے وقت لوگ کسی مکان میں جمع ہو کر کہانیاں سُناتے اور شعر و غزل کا شغل کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اسی میں ساری ساری رات گذار دیتے تھے۔آنحضرت ﷺ بھی بچپن کے شوق میں یہ تماشہ دیکھنے گئے۔مگر اللہ تعالیٰ کو اس لغو کام میں خَاتم النّبیّینؐ کی شرکت پسند نہ آئی۔چنانچہ ایک جگہ آپؐ گئے مگر راستے میں ہی نیند آگئی اور سو گئے اور صبح تک سوتے رہے۔ایک دفعہ اور آپؐ کو یہی خیال آیا مگر پھر بھی دستِ غیبی نے روک دیا۔زمانہ نبوت میں آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مَیں نے ساری عمر میں صرف دو دفعہ اس قسم کی مجلس میں شرکت کا ارادہ کیا، مگر دونوں دفعہ روک دیا گیا۔

حربِ فِجار

عرب ایک نہایت جنگجو قوم تھی اور لڑنے مرنے کو یہ لوگ فخر سمجھتے تھے۔اسی لیے بات بات پر تلوار کھچ جاتی تھی اور جب کبھی ایسا موقع آتا تو ایک بڑے پیالے میں خون بھر کر سب اسکے اندر اُنگلیاں ڈبو کر قسم کھاتے تھے کہ لڑ کر مر جائیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔مختلف قبائل کی آپس میں عداوت رہتی تھی کیونکہ ہر قبیلہ کو اپنی عزّت اور بڑائی کا از بس خیال تھا۔ایسی صورت میں میلوں وغیرہ میں جہاں مختلف قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں لڑائی کی وجوہات پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کا ابھی بچپن ہی تھا تو عکاظ کے میلہ کے موقع پر جو مکّہ سے جانبِ شرق تین دن کی مسافت پر ایک خوشگوار وادی میں لگا کرتا تھا، قبائل قیس عیلان اور بنو کنانہ کے درمیان کچھ چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔اس زمانہ میں قیس عیلان کے مختلف قبائل مکّہ سے جنوب مشرق میں طائف اور مکّہ کے درمیان آباد تھے۔ایک عرصہ تک تو دونوں طرف کے رؤساء نے جنگ کی نوبت آنے سے بچائے رکھا، مگر آہستہ آہستہ تعلقات کشیدہ ہوتے گئے اور بالآخر لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔اس جنگ کو تاریخ میں حربِ فِجار کہتے ہیں۔جس کے معنے ناجائز جنگ کے ہیں۔کیونکہ اس جنگ کی ابتداء شہر حرم میں ہوئی تھی جس کے اندر لڑنا عرب کے قدیم دستور کے مطابق ممنوع تھا۔

غرض یہ جنگ ہوئی اور ایسے زور شور سے ہوئی کہ زمانہ جاہلیت کی جنگوں میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ بنو کنانہ بشمولیت قبیلہ قریش ایک طرف تھے اور قیس عیلان بشمولیت قبیلہ ہوازن دوسری طرف۔اس جنگ کی سب سے خطرناک آخری لڑائی تھی جو حربِ فِجار کی چوتھی لڑائی کہلاتی ہے۔اس میں جوش کا یہ عالم تھا کہ بعض سرداروں نے اپنے آپ کو رسّوں سے بندھوا دیا تھا کہ اگر بھاگنا چاہیں بھی تو نہ بھاگ سکیں۔دن کے شروع حِصّہ میں قیس عیلان کا پلّہ بھاری رہا۔لیکن آخر میں بنو کنانہ نے دبا لیا اور قیس عیلان کی شکست کے بعد ہر دو فریق میں صلح ہوگئی۔

اس لڑائی میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے خود قتال نہیں کیا بلکہ آپؐ کی شرکت صرف اس حد تک محدود تھی کہ آپ فوج میں شامل تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے جاتے تھے۔اس وقت آپؐ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔اس لڑائی میں ہر قبیلہ کا افسر الگ الگ تھا۔چنانچہ بنو ہاشم زبیر بن عبدالمطلب کے ماتحت تھے مگر بنو کنانہ کی ساری فوج کا افسر حرب بن امیّہ تھا جو ابوسفیان کا والد اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

حِلفُ الفضول

قدیم زمانہ میں عرب کے بعض شریف دل اشخاص کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ باہم مل کر عہد کیا جاوے کہ ہم ہمیشہ حقدار کو اس کا حق حاصل کرنے میں مدد دیں گے اور ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور عربی میں چونکہ حق کو فضل بھی کہتے ہیں جس کی جمع فضول ہے، اس لئے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔بعض روایتوں کی رُو سے چونکہ اس تجویز کے محرّک ایسے شخص تھے جن کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا، اس لیے یہ عہد حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوگیا۔بہرحال حرب فجار کے بعد اور غالباً اسی جنگ سے متأثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس حلف کو پھر تازہ کیا جاوے۔چنانچہ اسکی تحریک پر بعض قبائل قریش کے نمائندگان عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے جہاں عبداللہ بن جدعان کی طرف سے ایک دعوت کا انتظام تھا اور پھر سب نے اتفاق کر کے باہم قسم کھائی کہ ہم ہمیشہ ظلم کو روکیں گے اور مظلوم کی مدد کریں گے۔اس عہد میں حصہ لینے والوں میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم شامل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موقع پر موجود تھے اور شریک معاہدہ تھے۔چنانچہ آپؐ ایک دفعہ نبوت کے زمانہ میں فرماتے تھے کہ مَیں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسی قَسم میں شریک ہوا تھا کہ اگر آج اسلام کے زمانہ میں بھی مجھے کوئی اس کی طرف بلائے، تو مَیں اس پر لبیک کہوں گا اور شاید اسی خیال کا اثر تھا کہ جب ایک دفعہ امیر معاویہ کے زمانہ میں اُن کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے جو اس وقت مدینہ کے امیر تھے حضرت حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کا کوئی حق دبا لیا تو حضرت حسینؓ نے کہا کہ ''خدا کی قسم اگر ولید نے میرا حق نہ دیا تو مَیں تلوار نکال کر مسجد نبوی میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کی طرف لوگوں کو بلاؤں گا۔'' جس وقت عبداللہ بن زبیر نے یہ سُنا تو کہا کہ اگر حسینؓ نے اس قَسم کی طرف بلایا تو مَیں اس پر ضرور لبیک کہوں گا اور ہم یا تو اس کا حق دلوائیں گے اور یا اس کوشش میں سب مارے جائیں گے۔بعض اور آدمیوں نے بھی اسی قسم کے الفاظ کہے جس پر ولید دَب گیا اور اس نے حضرت حسینؓ کا حق ادا کر دیا۔یہ خیال رہے کہ عبداللہ بن زبیر بنو اسد میں سے تھے جو حلف الفضول میں شریک تھے۔

حُلیہ مبارک

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے اور جسمانی نشوونما مکمل ہو چکا تھا۔اس لیے اس موقع پر آپؐ کا حُلیہ بیان کر دینا مناسب ہو گا۔لکھا ہے کہ آپؐ میانہ قد تھے۔رنگ بہت خوبصورت تھا یعنی نہ تو بہت ہی سفید جو بُرا لگے اور نہ ہی گندم گوں بلکہ گندم گوں سے کچھ سفید تھا۔سَر کے بال بالکل سیدھے نوک دار نہ تھے بلکہ کسی قدر خم دار تھے۔داڑھی گھنی اور خوبصورت تھی۔جسم درمیانہ تھا۔جِلد نازک اور ملائم تھی اور آپؐ کے جسم اور پسینہ میں ایک قسم کی خوشبو پائی جاتی تھی۔سَر بڑا تھا۔سینہ فراخ۔ہاتھ پاؤں بھرے بھرے۔ہتھیلیاں چوڑی۔چہرہ گول۔پیشانی اور ناک اونچی۔آنکھیں سیاہ اور روشن اور پلکیں دراز تھیں۔چلنے میں وقار تھا۔مگر عموماً تیزی کے ساتھ قدم اُٹھتا تھا۔گفتگو میں آہستگی ہوتی تھی حتیٰ کہ اگر سُننے والا چاہے تو آپؐ کے الفاظ کو گن سکتا تھا۔ناراضگی کے وقت چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا اور خوشی کے موقع پر بھی چمک اُٹھتا تھا۔انگلستان کا مشہور مؤرخ سر ولیم میور آپؐ کا حُلیہ بیان کر کے لکھتا ہے کہ:

''آپؐ کا سردارانہ رنگ ڈھنگ ایک اجنبی شخص کے دل میں کچھ ایسا رُعب پیدا کر دیتا تھا جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن جب اُسے آپؐ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا اور وہ آپ سے واقف ہو جاتا تھا تو اس کے دل میں بجائے ڈر اور خوف کے عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہونے لگتے تھے۔''

مشاغلِ تجارت

جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب جوان تھے اور کاروبارِ زندگی میں مصروف ہونے کا وقت آ گیا تھا اور چونکہ ابو طالب کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی اس لیے بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ آنحضرت ﷺ کوئی مناسب کام شروع

کر کے اُن کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ چنانچہ ابو طالب کی خواہش اور تحریک پر آپؐ نے تجارت کا کام شروع فرما دیا۔

مکّہ سے تجارت کے قافلے مختلف علاقوں کی طرف جاتے تھے۔ جنوب میں یمن اور شمال میں شام کی طرف تو باقاعدہ تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ اسکے علاوہ بحرین وغیرہ کے ساتھ بھی تجارت تھی۔ آنحضرت ﷺ عموماً ان سب مُلکوں میں تجارت کی غرض سے گئے اور ہر دفعہ نہایت دیانت و امانت اور خوش اسلوبی اور ہنرمندی کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا۔ مکّہ میں بھی جن لوگوں کے ساتھ آپؐ کا معاملہ پڑا وہ سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ چنانچہ سائب ایک صحابی تھے۔ وہ جب اسلام لائے تو بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''مَیں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔'' سائب نے عرض کی۔ ''ہاں یا رسُول اللہ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپؐ ایک دفعہ تجارت میں میرے شریک تھے اور آپؐ نے ہمیشہ نہایت صاف معاملہ رکھا۔ عبداللہ بن ابی الحمساء ایک اور صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے مَیں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کیا اور میرے ذمّہ آپؐ کا کچھ حساب باقی رہ گیا جس پر مَیں نے آپؐ سے کہا کہ آپ یہیں اِسی جگہ ٹھہریں مَیں ابھی آتا ہوں۔ مگر مجھے بھُول گیا اور تین دن کے بعد یاد آیا اس وقت جب مَیں اس طرف گیا تو آنحضرت ﷺ وہیں کھڑے تھے۔ مگر آپؐ نے سوائے اس کے مجھے کچھ نہیں کہا کہ ''تم نے مجھے تکلیف میں ڈالا ہے۔ مَیں یہاں تین دن سے تمہارے انتظار میں ہوں۔'' اس سے غالباً یہ مُراد نہیں کہ آپؐ مسلسل تین دن تک اسی جگہ ٹھہرے رہے بلکہ منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مناسب اوقات میں کئی کئی دفعہ اس جگہ جا کر دیر دیر تک عبداللہ کا انتظار فرماتے ہوں گے تا کہ عبداللہ کو آپؐ کی تلاش کی وجہ سے کِسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

اسی قسم کے واقعات سے مکّہ والوں میں آپؐ کا نام امین مشہور ہو گیا تھا اور آپؐ کی دیانت اور امانت کی وجہ سے سب لوگ آپؐ کی بہت عزّت کرتے تھے اور آپؐ کو نہایت راستباز اور صادق القول یقین کرتے تھے۔

تجارتی کاروبار کا آغاز اس طرح ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کے قریب ہوئی تو خدیجہؓ بنت خویلد نے جو قبیلہ بنو اسد کی ایک نہایت شریف اور مالدار خاتون تھی اور مکّہ کی تجارت میں اس کا بہت بڑا حِصّہ تھا آپؐ کو تجارتی مال دے کر شام کی طرف تجارت کی غرض سے بھیجا اور اپنے غلام میسرہ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا۔ اس سفر میں آپؐ کی محنت اور برکت اور دیانتداری کے طفیل اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت نفع ہوا اور آپؐ نہایت کامیاب ہو کر واپس آئے۔ اسی طرح آپؐ نے دو تین تجارتی سفر دُوسرے علاقوں کی طرف بھی کئے۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی

حضرت خدیجہؓ ایک بیوہ اور صاحبِ اولاد عورت تھیں اور یکے بعد دیگرے دو خاوند کر چکی تھیں۔ مگر دونوں فوت ہو چکے تھے۔ چونکہ نہایت معزز اور دولتمند اور شریف تھیں حتی کہ اُن کی شرافت کی وجہ سے اُن کا نام طاہرہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس لئے مکّہ کے کئی لوگوں نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، مگر انہوں نے سب کا انکار کیا۔ اب جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا معاملہ پڑا اور اُنہوں نے آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ اور قابلیّت کو دیکھا اور اپنے خادم میسرہ کو بھی آپؐ کی تعریف میں رطب اللسان پایا تو اُنہوں نے خود آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کے مشورہ کے بعد قبول کر لیا۔ چنانچہ آپؐ کے رشتہ دار اور خدیجہؓ کے قریبی رشتہ دار جمع ہوئے اور ابو طالب نے پانسو درہم مہر پر خدیجہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا نکاح پڑھ دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ گویا خدیجہؓ آنحضرت ﷺ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بن اسد فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے خدیجہؓ کی طرف سے اُن کے چچا عمرو بن اسد نے شرکت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

آنحضرت ﷺ کی جتنی بھی اولاد ہوئی وہ سب سوائے ابراہیم کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کے تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئے۔ لڑکوں کے نام قاسم، طاہر اور طیب تھے۔ بعض روایتوں میں ایک چوتھا بیٹا عبداللہ بھی بیان ہوا ہے۔ مگر عام خیال یہ ہے کہ طیّب کا دوسرا نام عبداللہ تھا۔ لڑکیوں کے نام زینبؓ، رقیہؓ، امّ کلثومؓ اور فاطمہؓ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی آپؐ کے دعویٰ نبوت سے پہلے پیدا ہو چکی تھی اور آنحضرت ﷺ کی کنیت ابو القاسم آپؐ کے بڑے بیٹے قاسم کے نام پر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد سب بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔ مگر لڑکیاں سب بڑی ہوئیں اور اسلام لائیں، لیکن سوائے چھوٹی لڑکی فاطمۃ الزہراؓ کے باقی کِسی لڑکی کی نسل نہیں چلی۔ بڑی لڑکی زینب ابو العاص بن ربیع کے ساتھ بیاہی گئیں جو حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں میں سے تھے۔ ابو العاص کے ہاں زینبؓ کے بطن سے ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ پیدا ہوئے۔ لڑکا تو بچپن میں ہی فوت ہو گیا، مگر لڑکی بڑی ہوئی اور حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے عقد میں آئی، مگر اس کی نسل نہیں چلی۔ آنحضرت ﷺ امامہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ابو العاص ہجرت کے کئی سال بعد تک اسلام نہیں لائے۔ جس کی وجہ سے زینبؓ کو بھی بعض تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ زینبؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئیں۔

رقیّہ اور اُمِ کلثوم آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا ابولہب کے دو لڑکوں عُتبہ اور عُتیبہ کے عقد میں آئیں مگر اسلام کے زمانہ میں جب ابو لہب نے آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی تو پیشتر اسکے کہ رُخصتانہ ہوتا یہ دونوں نکاح فسخ ہو گئے۔ اسکے بعد رقیّہ اور امِ کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ بن عفّان کے نکاح میں آئیں، جسکی وجہ سے اُن کو ذوالنورین یعنی دو نُوروں والا کہتے ہیں۔ مگر ان دونوں کی نسل نہیں چلی۔ یعنی رقیّہ کے بطن سے تو ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہو کر فوت ہو گیا اور امّ کلثوم کے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی۔ رقیّہ کا جنگِ بدر کے زمانہ میں اور امّ کلثوم کا فتح مکّہ کے بعد انتقال ہو گیا۔

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ تھیں جو آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ یہ ہجرت کے بعد حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں اور انہی کے بطن سے حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ پیدا ہوئے جن کی اولاد سیّد کہلاتی ہے۔ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی وفات سے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ کی اولاد جو اُن کے پہلے دو خاوندوں سے تھی وہ دو لڑکوں ہند اور ہالہ اور ایک لڑکی ہند پر مشتمل تھی جو خدا کے فضل سے سب مسلمان ہو گئے تھے۔

کعبہ کی جدید تعمیر

چونکہ کعبہ کی عمارت کو کسی وجہ سے نقصان پہنچ گیا تھا، اس لیے قریش نے اسے گِرا کر پھر از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر گرانے کا کام شروع کرنے سے سب ڈرتے تھے کہ خُدا کا گھر ہے کوئی آفت نہ آ جاوے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے جو معمر اور سرداران قریش میں سے تھا اس کام کو شروع کیا اور جب لوگوں نے ایک رات انتظار کر کے دیکھ لیا کہ ولید پر اس وجہ سے کوئی آفت نہیں آئی تو پھر سب شامل ہو گئے جب پُرانی عمارت کو گراتے گراتے حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر پہنچے تو رُک گئے اور اُن کے اُوپر نئی تعمیر شروع کی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ساحل کے پاس ایک بڑی کشتی ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی لکڑی قریش نے خرید لی لیکن چونکہ یہ لکڑی ساری چھت کیلئے ناکافی تھی۔ اس واسطے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قریش کعبہ کی اس جدید تعمیر کو ابراہیم خلیل اللہ کی بنیادوں پر کھڑا نہیں کر سکے، بلکہ ایک طرف سات ہاتھ جگہ چھوڑ دی۔ بعض اور تبدیلیاں بھی قریش نے کیں۔

جب قریش کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے حجرِ اسود کی جگہ پر پہنچے تو قبائلِ قریش کے اندر اس بات پر سخت جھگڑا ہوا کہ کون قبیلہ اسے اس کی جگہ پر رکھے۔ ہر قبیلہ اس عزت کو اپنے لیے چاہتا تھا۔ حتّٰی کہ لوگ آپس میں لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے اور بعض نے تو زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق ایک خون سے بھرے ہوئے پیالے میں اُنگلیاں ڈبو کر قسمیں کھائیں کہ لڑ کر مر جائیں گے مگر اس عزت کو اپنے قبیلہ سے باہر نہ جانے دیں گے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے تعمیر کا کام کئی دن تک بند رہا۔ آخر ابوامیّہ بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ جو شخص سب سے پہلے حَرم کے اندر آتا دکھائی دے وہ اس بات میں حکم ہو کر فیصلہ کرے کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہئے۔ اللہ کی قدرت لوگوں کی آنکھیں جو اُٹھیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ کو دیکھ کر سب پُکار اُٹھے۔ ''امین امین۔'' اور سب نے باتفاق کہا کہ ''ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں۔'' جب آپؐ قریب آئے تو انہوں نے آپؐ سے حقیقت امر بیان کی اور فیصلہ چاہا۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ایسا فیصلہ فرمایا کہ سب سرداران قریش دَنگ رہ گئے اور آفرین پکار اُٹھے۔ آپؐ نے اپنی چادر لی اور اس پر حجرِ اسود کو رکھ دیا اور تمام

قبائل قریش کے رؤساء کو اس چادر کے کونے پکڑوا دیئے اور چادر اُٹھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب نے مل کر چادر کو اُٹھایا اور کسی کو بھی شکایت نہ رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصویری زبان میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل جواب برسرِ پیکار ہیں وہ اس پاک وجود کے ذریعہ سے ایک مرکز پر جمع ہو جائیں گے۔ جب حجرِ اسود کی اصلی جگہ کے محاذ میں چادر پہنچی تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے چادر پر سے اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ جیسا کہ پہلے کہا گیا تھا تصویری زبان میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عنقریب نبوت کی عمارت کے ''کونے کا پتھر'' آپؐ کے وجود سے اپنی جگہ پر قائم ہوگا۔

عام مؤرخین کعبہ کی اس تعمیر کی تاریخ کے متعلق صرف اتنا لکھ دیتے ہیں کہ یہ آپؐ کی پینتیس سال کی عمر کا واقعہ ہے حالانکہ اگر اس زمانہ کے حالات کو مدِّنظر رکھ کر دیکھا جاوے تو دراصل نئی عمارت کے واسطے سامان جمع کرنے اور پُرانی عمارت کو گرانے وغیرہ کا کام ایک کافی لمبا وقت چاہتا تھا۔ لہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ اس کام کی تیاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ابتدائی زندگی میں ہی شروع ہوگئی تھی اور نئی عمارت کے واسطے سامان یعنی پتھر لکڑی وغیرہ آہستہ آہستہ جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک صحیح روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تعمیر کعبہ کے واسطے پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کر رہے تھے تو آپؐ کے چچا عباس نے آپؐ سے کہا۔ بھتیجے اپنا تہ بند اپنے شانہ پر رکھ لو تا کہ پتھروں کی رگڑ وغیرہ نہ لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعمیلِ حکم تو کی مگر چونکہ اس سے آپؐ کے جسم کا کچھ ستر والا حصہ ننگا ہوگیا۔ آپؐ شرم کے مارے زمین پر گر گئے اور آپؐ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور آپؐ بے تاب ہو کر ''میرا تہ بند میرا تہ بند'' پکارنے لگ گئے۔ حتیٰ کہ پھر آپؐ نے جلدی سے اپنا تہ بند درست کر لیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جو صرف ابتدائی عمر کی طرف ہی منسوب ہوسکتا ہے۔ چنانچہ بعض گذشتہ مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ یہ صغرسنی کا واقعہ ہے۔ ہاں حجرِ اسود کے متعلق حَکَم بن کر فیصلہ کرنے کا واقعہ بے شک بعد کا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ روایت ہے کہ آپؐ کو آتا دیکھ کر سب لوگ امین امین پکار اُٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ امین کا لقب آپؐ نے اس وقت پایا جب معاملات میں پڑ کر آپؐ کی امانت و دیانت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو کر مسلّم ہوگئی۔

زید بن حارثہ کا آپؐ کی خدمت میں آنا

حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے تھے جن کا نام حکیم بن حزام تھا۔ یہ بڑے تاجر آدمی تھے اور ہمیشہ تجارتی قافلوں کے ساتھ اِدھر اُدھر آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ یہ کہیں تجارت کیلئے گئے تو چند ایک غلام خرید کر لائے اور اُن میں سے ایک غلام اپنی پھوپھی کی نذر کیا۔ اُس کا نام زید بن حارثہ تھا۔ زید دراصل ایک آزاد خاندان کا لڑکا تھا مگر کسی لوٹ مار میں قید ہو کر غلام بنا لیا گیا تھا۔ خدیجہؓ نے زید کو ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سُپرد کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہ دستور تھا کہ اپنے غلاموں اور خادموں کو نہایت محبت اور پیار کے ساتھ رکھتے تھے اور اُن سے اپنے رشتہ داروں کی طرح سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ زید کے ساتھ بھی آپؐ کو محبت تھی اور زید چونکہ ایک وفادار دل رکھتا تھا، اس لئے اُسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ارادت ہوگئی۔ اُسی زمانہ میں زید کا باپ حارثہ اور اس کا چچا کعب زید کا پتہ لیتے لیتے مکہ آ نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عاجزی سے استدعا کی کہ زید کو رہا کر کے اُن کے ساتھ بھیج دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اگر زید جانا چاہے تو میری طرف سے بخوشی اجازت ہے۔'' اِس پر زید کو بلایا گیا اور آپؐ نے اُسے کہا۔ ''زید تم ان کو پہچانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟'' اُس نے عرض کی۔ ''ہاں یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا۔ ''یہ تم کو لینے آئے ہیں۔ اگر تم جانا چاہتے ہو تو میری طرف سے تم کو بخوشی اجازت ہے۔'' زید نے جواب دیا۔ ''مَیں آپؐ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپؐ میرے لیے میرے چچا اور باپ سے بڑھ کر ہیں۔'' زید کا باپ غصّہ میں بولا۔ ''ہیں! تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے؟'' زید نے کہا۔ ''ہاں! کیونکہ مَیں نے ان میں ایسی خوبیاں دیکھی ہیں کہ اب مَیں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زید کا یہ جواب سُنا، تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور زید کو خانہ کعبہ کے پاس لے جا کر بلند آواز سے فرمایا۔ ''لوگو! گواہ رہو کہ آج سے مَیں زید کو آزاد کرتا اور اسے اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔''

زید کے والد اور چچا نے یہ نظارہ دیکھا تو حیران رہ گئے اور زید کو بخوشی آپؐ کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ اُس دن سے زید بجائے زید بن حارثہ کے زید بن محمد کہلانے لگے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم اُترا کہ مُنہ بولا بیٹا بنانا جائز نہیں ہے تو زید کو پھر زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اور پیار اس وفادار خادم کے ساتھ وہی رہا جو پہلے تھا، بلکہ دن بدن ترقی کرتا گیا اور زید کی وفات کے بعد زید کے لڑکے اسامہ بن زید سے بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ اُمِّ ایمن کے بطن سے تھے آپؐ کا وہی سلوک اور وہی پیار تھا۔

زید کی خُصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام صحابہ میں سے صرف انہی کا نام قرآن شریف میں صراحت کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔

علی بن ابی طالب کا آنحضرتؐ کے گھر آنا

ابو طالب ایک بہت باعزّت آدمی تھے، مگر غریب تھے اور بڑی تنگی سے اُن کا گذارہ چلتا تھا۔ خصوصاً ان ایام میں جب کہ مکّہ میں ایک قحط کی صورت تھی اُن کے دن بہت ہی تکلیف میں کٹتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنے چچا کی اس تکلیف کو دیکھا تو اپنے دُوسرے چچا عباس سے ایک دن فرمانے لگے چچا! آپ کے بھائی ابو طالب کی معیشت تنگ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اُن کے بیٹوں میں سے ایک کو آپ اپنے گھر لے جائیں اور ایک کو میں لے آؤں۔'' عباس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور پھر دونوں مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور اُن کے سامنے یہ درخواست پیش کی۔ اُن کو اپنی اولاد میں عقیل سے بہت محبت تھی۔ کہنے لگے عقیل کو میرے پاس رہنے دو اور باقیوں کو اگر تمہاری خواہش ہے تو لے جاؤ۔ چنانچہ جعفر کو عباس اپنے گھر لے آئے اور علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے پاس لے آئے۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت قریباً چھ سات سال کی تھی۔ اس کے بعد علیؓ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس رہے۔

صبح کی سفیدی

اب آپؐ کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچ گئی تھی اور وقت آ گیا تھا کہ صبح کی سفیدی اُفقِ مشرق میں نمودار ہو۔ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مکہ کی عام سوسائٹی میں زیادہ خلا ملا نہیں کیا مگر ان ایّام میں خصوصاً آپؐ کی طبیعت کا یہ حال تھا کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی طلب اور اُس کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ مکّہ کے پاس شہر سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ کی طرف جاتے ہوئے بائیں جانب کوہِ حرا میں ایک غار ہے جس کو غارِ حراء کہتے ہیں۔ ان ایّام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور تھا کہ وہاں جاتے اور غور وفکر اور یادِ خدا میں مشغول رہتے۔ عام طور پر کئی کئی دن کا کھانا ساتھ لے جاتے اور شہر میں نہ آتے۔ بعض اوقات حضرت خدیجہؓ بھی ساتھ جاتی تھیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جسے قرآن شریف میں تلاشِ حق کا زمانہ کہا گیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ: 8) ''یعنی اللہ نے تجھے اپنی تلاش میں سرگردان و حیران پایا۔ پس اُس نے تجھ کو اپنی طرف آنے کا راستہ بتا دیا۔''

اسی زمانہ میں رؤیا صالحہ کا آغاز ہوا جس کا عرصہ چھ ماہ کا بیان ہوا ہے۔ گویا نبّوت کی ابتدائی سیڑھی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ:

اَوَّلَ مَا بُدِیءَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ۔ وَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ وَحُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَا لتَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ۔ (بخاری، باب بدء الوحی) یعنی شروع شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جس رنگ میں وحی کی ابتداء ہوئی وہ رؤیا صالحہ کی صورت میں تھی جو آپؐ نیند کی حالت میں دیکھتے تھے۔ ہر ایک رؤیا جو آپؐ دیکھتے تھے وہ صُبح کی سفیدی کی طرح پوری ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں آپؐ کو خلوت و تنہائی میں رہنا بہت محبوب تھا۔ آپؐ غارِ حرا میں جاتے اور وہاں کئی کئی رات عبادت کرتے رہتے پھر گھر آتے اور اپنے ساتھ کچھ اور زادلے جاتے۔ جب وہ ختم ہوجاتا تو پھر خدیجہؓ سے آ کر لے جاتے۔ آپؐ اسی حالت میں تھے کہ آپؐ کے پاس خُدا کی طرف سے حق آ گیا۔ اس وقت آپؐ غارِ حرا میں تھے۔

(سیرت خاتم النّبیین، صفحہ 93 تا 112)

......☆......☆......☆......

خاتم النبیین کی تفسیر علماء اُمت و بزرگان سلف کے اقوال کی روشنی میں

(از مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم)

(1) یُفَسِّرُوْنَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ بِاللَّبِنَةِ حَتّٰی اَکْمَلَتِ الْبُنْیَانُ وَمَعْنَاهُ اَلنَّبِیُّ الَّذِیْ حَصَلَتْ لَهُ النُّبُوَّةُ الْکَامِلَةُ (مقدمہ ابن خلدون، صفحہ 271)

ترجمہ: خاتم النّبیین کی تفسیر اس حدیث سے کی جاتی ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک عمارت کی تعمیر ایک اینٹ کے ذریعہ مکمل ہوگئی اس سے مُراد ایسا نبی ہے جس کو کامل نبوّت حاصل ہوئی ہو۔

(2) مَعْنٰی خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ اَنَّهُ لَا یَأْتِیْ بَعْدَهُ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ (موضوعات کبیر، صفحہ 59)

ترجمہ: خاتم النبیّین کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو اس کی ملّت کو منسوخ قرار دے اور وہ آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

(3) خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّأْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ (تفہیمات الٰہیہ، صفحہ 53 مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

ترجمہ: مجھ پر نبی ختم کئے گئے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کوئی شخص نہیں آئے گا جس کو اللہ سبحانہٗ لوگوں کے لئے شریعت دیکر بھیجے۔

(4) اَنْبِیَاءُ الْاَوْلِیَاءِ یُرِیْدُ بِذٰلِكَ نُبُوَّةَ الْقُرْبِ وَالْاِعْلَامِ وَالْحِکَمِ الْاِلٰهِیِّ لَا نُبُوَّةَ التَّشْرِیْعِ لِاَنَّ نُبُوَّةَ التَّشْرِیْعِ انْقَطَعَتْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (الانسان الکامل، جلد 2، صفحہ 109، سید عبد الکریم جیلیؒ)

ترجمہ: انبیاء الاولیاء سے ان کی مُراد قرب و اعلام و حکمت ہائے الٰہیہ پر مشتمل نبوّت ہے نہ کہ تشریعی نبوّت۔ کیونکہ تشریعی نبوّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہوگئی ہے۔

(5) اِنَّ کَثِیْرًا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نُبُوَّتُهُ نُبُوَّةُ الْوِلَایَةِ کَالْخَضِرِ فِیْ بَعْضِ الْاَقْوَالِ وَکَعِیْسٰی اِذَا نَزَلَ اِلَی الدُّنْیَا فَاِنَّهُ لَا یَکُوْنُ لَهُ نُبُوَّةُ التَّشْرِیْعِ۔

(الانسان الکامل، صفحہ 84)

ترجمہ: نبیوں میں سے اکثر کی نبوّت نبوّتِ ولایت ہے۔ جیسے بعض اقوال کے مطابق خضر علیہ السلام ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں نازل ہوں گے تو ان کے پاس نبوّت تشریعی نہیں ہوگی۔

(6) لَا مُنَافَاةَ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا وَاَنْ یَّکُوْنَ تَابِعًا لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیَانِ اَحْکَامِ شَرِیْعَتِهٖ وَاِتْقَانِ طَرِیْقَتِهٖ وَلَوْ بِالْوَحْیِ اِلَیْهِ۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد 5، صفحہ 564)

ترجمہ: ان دو باتوں میں کوئی منافات نہیں کہ (ایک پہلو سے) وہ نبی ہوں۔ اور دوسری طرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں۔ حضورؐ کی شریعت کے احکام کے بیان میں اور حضورؐ کی طریقت کی مضبوطی قائم کرنے میں خواہ ان معاملات میں ان کی طرف وحی ہی کیوں نہ ہو۔

(7) اِنَّمَا النُّبُوَّةُ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هِیَ نُبُوَّةُ التَّشْرِیْعِ لَا مَقَامُهَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا مَعْنٰی قَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔

(فتوحات مکّیہ، باب 73، جلد 4، صفحہ 100)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ وَلَا نَبِیَّ کے یہی معنی ہیں۔ یعنی کوئی نبی ایسی شریعت پر نہیں آئے گا جو میری شریعت کے مخالف ہو۔ جب بھی (کوئی نبی) ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔

(8) فَالنُّبُوَّةُ سَارِیَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فِی الْخَلْقِ وَاِنْ کَانَ التَّشْرِیْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِیْعُ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ (ایضاً)

ترجمہ: نبوّت قیامت کے دن تک مخلوق میں جاری ہے۔ اگرچہ شریعت منقطع ہوچکی ہے۔ کیونکہ شریعت نبوّت کے اجزاء میں سے ایک جُزء ہے۔

(9) قَالَ الْاِمَامُ مُلَّا عَلِیُّ الْقَارِیْ فِیْ تَفْسِیْرِ هٰذَا الْحَدِیْثِ لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ وَصَارَ نَبِیًّا وَکَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَعِیْسٰی وَخَضِرَ وَاِلْیَاسَ فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَهُ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّهُ لَا یَاْتِیْ بَعْدَهُ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَه وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ۔

(موضوعاتِ کبیر، صفحہ 58، 59)

ترجمہ: امام مُلاّ علی قاری نے اس حدیث کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے اور نبی بن جاتے اور اسی طرح اگر عمرؓ نبی بن جاتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں سے ہوتے۔ جس طرح عیسیٰ، خضر اور الیاس (علیہم السلام) ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیّین سے متناقض نہیں ہے جبکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپؐ کی ملّت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

(10) انبیاء کے کامل تابعین ان کی کمال فرمانبرداری اور ان سے انتہائی محبّت کی بناء پر محض خدا تعالیٰ کی عنایت اور موہبت سے اپنے متبوع انبیاء کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگین ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ متبوع انبیاء اور ان کے کامل تابعین میں سوائے اصل اور تبعیّت اور اوّلیت اور آخریت کے کوئی فرق نہیں رہتا۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی، جلد 1، مکتوب 248)

(11) سو اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصوّر فرمایئے یعنی آپ موصوف بوصفِ نبوّت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوّت بالعرض ہیں اوروں کی نبوّت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوّت کسی اور کا فیض نہیں۔ (تحذیر النّاس، صفحہ 4)

(12) غرض خاتمیتِ زمانی یہ ہے کہ دینِ محمدیؐ بعد ظہور منسوخ نہ ہوا اور علوم نبوّت انتہا کو پہنچ جائیں۔ کسی اور نبی کے دین یا علم کی طرف بنی آدم کو احتیاج نہ رہے۔

(مناظرہ عجیبہ صفحہ 40، 41 مصنفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی)

(13) بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ (تحذیر الناس، صفحہ 28)

(14) خاتم النبیین کے معنی ہیں متصف بوصف النبوۃ بالذات اور کامل نبی کے دوسرے انبیاء اسی کا نقش ہوں اور سارے فیضان اسی کے واسطہ سے حاصل کریں اور جو آپؐ کے بعد آئیں وہ آپ ہی کی پیروی اور اطاعت سے سب کچھ پائیں، انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں۔ (تحذیر الناس، صفحہ 29)

(15) کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزّت و قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔ (ازالہ اوہام، صفحہ 138)

(بحوالہ کتاب حدیقۃ الصالین، صفحہ نمبر 958، مطبوعہ 2006ء قادیان)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری جاں فدا ہے

کلام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنُما ہے

مِرا دِل اُس نے روشن کردیا ہے
اندھیرے گھر کا میرے وہ دیا ہے

خبر لے اے مسیحا دردِ دل کی
ترے بیمار کا دم گُھٹ رہا ہے

مِرا ہر ذرّہ ہو قربانِ احمد
مِرے دل کا یہی اِک مُدّعا ہے

اُسی کے عشق میں نکلے مِری جاں
کہ یاد یار میں بھی اِک مزا ہے

محمدؐ جو ہمارا پیشوا ہے
محمدؐ جوکہ محبوبِ خدا ہے

ہو اُس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شاہنشہِ ہر دو سرا ہے

اُسی سے میرا دِل پاتا ہے تسکیں
وہی اک راہِ دیں کا رہنما ہے

مُجھے اِس بات پر ہے فخر محمودؔ
مِرا معشوق محبوبِ خدا ہے

ارشاد باری تعالیٰ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ (آل عمران:32)

تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اَے شاہِ مکی ومَدَنی، سیّد الوریٰؐ

(بزبان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام)

منظوم کلام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

اَے شاہِ مکّی و مَدَنی ، سیّد الوَریٰؐ — تجھ سا مجھے عزیز نہیں کوئی دوسرا
تیرا غلام دَر ہوں ، ترا ہی اسیرِ عشق — تو میرا بھی حبیب ہے ، محبوبِ کبریاؐ
تیرے جلَو میں ہی مِرا اٹھتا ہے ہر قدم — چلتا ہوں خاکِ پا کو تِری چُومتا ہُوا
تو میرے دل کا نور ہے، اَے جانِ آرزو — روشن تجھی سے آنکھ ہے ، اَے نیّرِ ہدیٰؐ
ہیں جان وجسم ، سو تری گلیوں پہ ہیں نثار — اولاد ہے، سو وہ ترے قدموں پہ ہے فِدا
تو وہ کہ میرے دِل سے جگر تک اتر گیا — مَیں وہ کہ میرا کوئی نہیں ہے ترے سِوا

اے میرے والے مصطفیٰ ، اے سیّد الوَریٰؐ
اے کاش ہمیں سمجھتے نہ ظالم جُدا جُدا

ربّ جلیل کی ترا دِل جلوہ گاہ ہے — سِینہ ترا جمالِ الٰہی کا مُستَقر
قِبلہ بھی تُو ہے ، قِبلہ نُما بھی تِرا وجُود — شانِ خُدا ہے تیری اداؤں میں جلوہ گر
نور و بشر کا فرق مِٹاتی ہے تیری ذات — ”بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر“
تیرے حضور تہ ہے مِرا زانُوئے ادب — میں جانتا نہیں ہوں کوئی پیشوا دِگر
تیرے وُجُود کی ہوں مَیں وہ شاخِ باثمر — جس پر ہر آن رکھتا ہے ربُّ الوَریٰ نظر
ہر لحظہ میرے درپئے آزار ہیں وہ لوگ — جو تجھ سے میرے قُرب کی رکھتے نہیں خبر
مُجھ سے عِناد و بُغض وعداوَت ہے اُن کا دِیں — اُن سے مجھے کلام نہیں لیکن اِس قدر
اَے وہ کہ مُجھ سے رکھتا ہے پرَخاش کا خیال — ”اَے آں کہ سُوئے من بِدَوِیدی بصَد تبَر

از باغباں بِتَرس کہ من شاخِ مثمرم
بَعد از خدا بَعشقِ محمدؐ مُخمّرم
گر کفر اِیں بوَد بخدا سخت کافرَم“

آزاد تیرا فیض زمانے کی قید سے — برسے ہے شرق وغرب پہ یکساں ترا کرم
تُو مشرقی نہ مغرِبی اے نورِ شَشش جِہات — تیرا وطن عرب ہے ، نہ تیرا وطن عجم
تُو نے مجھے خرید لیا اِک نگہ کے ساتھ — اب تو ہی تو ہے تیرے سِوا میں ہوں کالعَدم
ہر لحظہ بڑھ رہا ہے مِرا تجھ سے پیار دیکھ — سانسوں میں بس رہا ہے تِرا عشق دَم بدَم
میری ہر ایک راہ تری سَمت ہے رواں — تیرے سوا کسی طرف اٹھتا نہیں قدَم
اَے کاش مُجھ میں قوّت پرواز ہو تو مَیں — اُڑتا ہوا بڑھوں ، تری جانِب سُوئے حرَم
تیرا ہی فیض ہے کوئی میری عطا نہیں — ”اِیں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دِہم

یک قطرۂ زِ بحر کمالِ محمدؐ است
جان و دِلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکَم نثارِ کُوچۂ آلِ محمدؐ است“

......☆......☆......☆......

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

ہر احمدی اپنے آپ کو تقویٰ میں بڑھانے کیلئے جدوجہد کرے

(پیغام حضور انور برموقع جلسہ سالانہ سکینڈے نیویا 2018)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

اپنے نیک نمونے کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو اسلام احمدیت کیلئے جیتنے کی کوشش کریں

(پیغام حضور انور برموقع جلسہ سالانہ سکینڈے نیویا 2018)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ نصائح

(تنویر احمد ناصر، نائب ایڈیٹر اخبار بدر)

ہمارے پیارے نبی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ نصائح زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک طرف جہاں آپؐ نے مذہبی و روحانی پہلوؤں کے متعلق اپنے صحابہؓ کو تعلیم دی وہیں معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کو بھی اُجاگر فرمایا۔

آپ ﷺ کا اندازِ تربیت و نصیحت نہایت خوبصورت اور ہمدردانہ ہوتا تھا۔ آپؐ نہایت کم اور موزوں الفاظ میں نہایت گہرے مضامین سکھا دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ اعلیٰ فراست عطا فرمائی تھی کہ سائل کی اندرونی حالت کا اندازہ کرکے ایسی نصیحت فرماتے جو عین اسکے مناسب حال ہوتی تھی۔ بعض اوقات ایک ہی سوال ہوتا اور آپ ﷺ مختلف طبائع کے لوگوں کو مختلف نصیحت کرتے۔ یعنی اپنے خداداد نورِ فراست سے انکی اندرونی کمزوری کا اندازہ کرکے ان کے مناسب حال نصیحت فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بعض مخصوص باتوں سے منع فرماتے اور بعض کے کرنے کا ارشاد فرماتے۔ بعض چیزوں کے فوائد بیان فرماتے اور بعض کے نقصانات۔ بعض اوقات آپ ﷺ مختلف طبائع کو الگ الگ زمروں میں رکھ کر انکی الگ الگ خوبیاں اور خرابیاں بیان کرکے ان کی خوبیوں کو اختیار کرنے اور خرابیوں سے بچنے کی تلقین فرماتے۔

اس جگہ بعض ایسی ہی احادیث قارئین کے استفادہ کیلئے پیش کی جارہی ہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رنگ میں نصائح فرمائی ہیں۔

ایمان کے ستر یا ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

یعنی ایمان کے ستر یا ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ اور سب سے کم تر شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔

ایمان کے چھ ارکان

ایک حدیث میں ہے کہ جبرائیل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق پوچھا تو آپ نے جواب دیا اَلْاِیْمَانُ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ (بحوالہ چالیس جواہر پارے، صفحہ 15، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ)

یعنی ایمان یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانا، اسکے فرشتوں پر ایمان لانا، اسکی کتابوں پر ایمان لانا، اسکے رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر اور اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لانا۔

اسلام کے پانچ ارکان

قال رسول اللہ ﷺ بنی الاسلام علی خمس: شھادۃ ان لا الہ الا اللہ، وان محمد رسول اللہ، واقام الصلاۃ وایتاء الزکوۃ، والحج، وصوم رمضان۔ (بخاری، حدیث نمبر 4515)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے اول یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

سات باتوں کا حکم اور سات باتوں سے منع

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے روکا۔ حکم دیا کہ بیمار کی عیادت کریں۔ جنازوں میں شامل ہوں۔ چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دیں۔ قسم کھانے والے کو قسم پوری کرنے میں مدد کریں۔ مظلوم کی مدد کریں۔ دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کریں اور سلام کو رواج دیں۔ آپؐ نے ہمیں روکا: سونے کی انگوٹھی پہننے سے، چاندی کے برتن میں پانی پینے سے، سرخ رنگ کے ریشمی گدوں پر بیٹھنے سے (یعنی زریں مرصّع پالان اور کاٹھیاں بنانے ریشمی فرش بچھانے سے) قسی نامی کپڑا (جو ریشم اور سوت سے ملا کر بنایا جاتا ہے) پہننے سے۔ اطلس اور دیباج (یعنی خالص ریشم) پہننے سے۔
(بخاری کتاب الادب)

سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: سبعة یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لاظل الا ظلہ: امام عادل، وشاب نشأ بعبادۃ اللہ، ورجل کان قلبہ معلقًا بالمسجد اذا خرج منہ حتی یعود الیہ، ورجلان تحابا فی اللہ فاجتمعا علی ذلك وتفرقا، ورجل ذکر اللہ خالیًا ففاضت عیناہ، ورجل دعتہ امرأۃ ذات حسب وجمال فقال: انی اخاف اللہ، ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاہ حتی لاتعلم شمالہ ما تنفق یمینہ: ھذا حدیث حسن صحیح۔
(ترمذی، جلد 2، صفحہ 62)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش کے) سائے میں (قیامت کے دن) جگہ دے گا جس دن کہ عرشِ الٰہی کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن اور وہ سات آدمی یہ ہیں) (1) حاکم عادل۔ (2) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا۔ (3) وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے، یہاں تک کہ دوبارہ مسجد میں چلا جائے۔ (4) وہ دو آدمی جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں دوستی کی، اس کیلئے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔ (5) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ (6) وہ شخص جس کو کسی صاحب حسب ونسب اور صاحب حسن وجمال خاتون نے بدی کی دعوت دی، مگر اس نے یہ کہہ کر اس کی دعوت رد کردی کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ (7) اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا تو اس کو ایسا چھپایا کہ اسکے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اپنی صحت وتندرستی کو بیماری سے پہلے۔ اپنی مالداری کو مفلسی سے پہلے۔ اپنے خالی اوقات کو مشغولیت سے پہلے۔ اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔ (المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق)

مسلمان کے حقوق

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور پیٹھ پیچھے برا مت کہو اور آپس میں بغض مت رکھو اور آپس میں حسد مت رکھو اور خالص اللہ کے غلام ہوجاؤ۔ ایک مسلمان بھائی کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زائد ملاقات چھوڑے۔
(جامع ترمذی، جلد اول باب البر والصلۃ)

گفتگو کے آداب

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے ایک (بے فائدہ) ادھر ادھر کی باتیں کرنا، دوسرے مال کو ضائع کرنا، تیسرے زیادہ سوالات کرنا۔
(صحیح مسلم، حدیث نمبر 1715)

تین آدمیوں سے اللہ بات نہیں کرے گا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ انکی طرف نظر التفات کرے گا۔ ایک وہ شخص جس نے جھوٹی قسم کھائی کہ مجھ

کو اس سامان کے اتنے روپے ملتے تھے حالانکہ اس سے کم ملتے تھے۔ دوسرے جس نے ایک مسلمان شخص کا مال مار لینے کو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی۔ تیسرے وہ شخص جس نے اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی روک لیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے اس پانی کو روک رکھا جو تیرا بنایا ہوا نہ تھا۔ آج میں اپنا فضل تجھ سے روک لیتا ہوں۔ (بخاری، جلد اول کتاب المساقاۃ، حدیث نمبر 2212)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔ نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ آپؐ نے تین بار یہی فرمایا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا برباد ہو گئے وہ لوگ اور نقصان میں پڑے وہ کون ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ؟ تو آپ نے فرمایا ایک تو (ٹخنوں سے نیچے) ازار (شلوار) لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔

(مسلم، کتاب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تین آدمیوں سے بات نہیں کرے گا۔ نہ ان کو دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دکھ کی مار پڑے گی۔ ایک وہ شخص جسکے پاس رستے میں ضرورت سے زیادہ پانی ہو اور وہ مسافر کو نہ دے، دوسرے وہ جو دنیا کیلئے (حاکم سے) بیعت کرے اگر وہ اس کی خواہش کے موافق اس کو دے تو بیعت پر قائم رہے ورنہ توڑ دے، تیسرے وہ شخص جو عصر کے بعد مول تول میں جھوٹی قسم کھائے کہ اس کو یہ چیز اتنے میں پڑی ہے اور اسکے کہنے پر دوسرا شخص (دھوکہ کھا کر) خرید لے۔ (بخاری، جلد اول کتاب الشہادات، حدیث نمبر 2495)

تین آدمیوں کا اللہ دشمن ہوگا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا۔ ایک تو اس کا جو میرا نام لے کر عہد کر کے پھر عہد توڑے، دوسرے وہ شخص جو آزاد کو بیچے اور اس کی پوری قیمت کھائے، تیسرے وہ شخص جو کسی سے پوری مزدوری لے پھر اس کی مزدوری نہ دے۔

(بخاری، جلد اول کتاب البیوع، حدیث نمبر 2086)

بیع میں دھوکا سے منع فرمایا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں پر عنقریب کاٹ کھانے کا زمانہ آنے والا ہے مالدار اپنے مال کو مضبوطی کے ساتھ قبضہ میں رکھے گا (خرچ نہیں کرے گا) حالانکہ اسے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (ترجمہ: آپس میں فضل و مہربانی کو نہ بھول جاؤ) اور جو مجبور لوگ ہیں ان کی چیزیں بیچی جائیں گی اور نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

(1) مجبور کی بیع (2) دھوکہ کی بیع اور (3) کچے پھل کی بیع (ان کی بیع سے منع فرمایا ہے اگر کوئی شخص مجبور ہے تو اس کی مدد کرنی چاہئے نہ کہ اسکی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکی چیزیں ارزاں قیمت پر لی جائیں)

(سنن ابی داؤد، جلد دوم کتاب البیوع)

دنیا ہمارا سب سے بڑا غم نہ ہوا

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی مجلس سے اُٹھتے تو آپؐ دعا کرتے: اے میرے اللہ! تو ہمیں اپنا خوف عطا کر جسے تو ہمارے اور گناہوں کے درمیان روک بنا دے اور ہم سے تیری نافرمانی سرزد نہ ہو اور ہمیں اطاعت کا وہ مقام عطا کر جسکی وجہ سے تو ہمیں جنّت میں پہنچا دے اور اتنا یقین بخش کہ جس کی وجہ سے دنیا کے مصائب تُو ہم پر آسان کر دے۔ اے میرے اللہ! ہمیں اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنی طاقتوں سے زندگی بھر صحیح صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور ہمیں اس بھلائی کا وارث بنا۔ اور جو ہم پر ظلم کرے اُس سے تو ہمارا انتقام لے۔ جو ہم سے دشمنی رکھتا ہے اُسکے برخلاف ہماری مدد فرما۔ اور دین میں کسی ابتلا کے آنے سے بچا۔ اور ایسا کر کہ دنیا ہمارا سب سے بڑا غم اور فکر نہ ہو اور نہ یہ دنیا ہمارا مبلغ علم ہو یعنی ہمارے علم کی پہنچ صرف دنیا تک ہی محدود نہ ہو۔ اور ایسے شخص کو ہم پر مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے اور مہربانی سے پیش نہ آئے۔

(ترمذی، کتاب الدعوات، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث 91)

تین قسم کے لوگ جنتی ہیں

حضرت عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا 3 قسم کے لوگ جنتی ہیں:

(1) انصاف کرنے والا حکمران جسے نیکی کی ہدایت دی گئی ہو اور صدقہ کرنے والا ہو

(2) وہ شخص جو اپنے تمام دوستوں اور رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں کیلئے رحم دل ہو

(3) وہ شخص جو مسکین اور پاک دامن ہو اور گھر کے افراد زیادہ ہونے کے باوجود مانگنے سے گریز کرتا ہو۔

پانچ قسم کے لوگ دوزخی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

پانچ قسم کے لوگ دوزخی ہیں (1) وہ غلام جو اپنے گھر والوں سے کوئی محبت نہ کرے (2) خیانت کرنے والا جسکی لالچ چھپی ہوئی نہ ہو۔ جو معمولی سی چیز میں بھی خیانت کر لے (3) دھوکا باز جو ہر صبح و شام تمہارے ساتھ تمہارے گھر والوں اور تمہاری دولت کے ساتھ دھوکا کرے (4) کنجوسی کرنے والا (جو مالدار ہونے کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے) (5) جھوٹ بولنے والا، بری خصلت اور بری بات کرنے والا۔ (مسلم، باب جہنم)

جنت میں امت مسلمہ کی اکثریت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جنتیوں کی 120 صفیں ہونگی ان میں سے 80 صفیں اس امت کی اور 40 صفیں دوسری امتوں کی ہونگی۔ (سنن الترمذی، باب ماجاء فی صفّ اھل الجنۃ، حدیث نمبر 2546)

جہنم کی گرمی ستر درجے زیادہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری یہ آگ جس کو انسان روشن کرتے ہیں جہنم کی گرمی سے 70 درجے کم ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ آگ ہی جلانے کیلئے کافی تھی آپؐ نے فرمایا وہ اس سے 70 درجہ زیادہ ہے ہر درجہ میں یہاں کی آگ کے برابر گرمی ہے۔

(مسلم، باب جہنم)

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میری اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے حاکمِ وقت کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جو حاکمِ وقت کا نافرمان ہے وہ میرا نافرمان ہے۔

(مسلم کتاب الامارۃ، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث 653)

......☆......☆......☆......

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادات کے آئینہ میں

(بلال احمد آہنگر، مربی سلسلہ، استاذ جامعہ احمدیہ قادیان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے فارسی منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

زاں نمط شد محو دلبر، کز کمال اتحاد
پیکر او شد سراسر، صورت رب رحیم
(درثمین مطبوعہ یو.کے 1990، صفحہ 101)

یعنی وہ اپنے معشوق میں اس طرح محو ہو گیا کہ کمال اتحاد کی وجہ سے اس کی صورت بالکل رب رحیم کی صورت بن گئی۔

آں مقام قرب کو دارد، بدلدار قدیم
کس نداند شان آں، از واصلان کردگار
(ایضاً، صفحہ 122)

قرب کا وہ مقام جو وہ محبوب ازلی کے ساتھ رکھتا ہے اس کی شان واصلان بارگاہ الٰہی میں سے بھی کوئی نہیں جانتا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو ایسا کامل اور مکمل ہے کہ اس کی مثال گذشتہ تمام انبیاء کرام میں نہیں مل سکتی۔

اسکی گواہی خود خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں دی ہے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5) یعنی تو اخلاق فاضلہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب:22) یعنی تمہارے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وجود میں ہر طرح کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:57) کہ میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہیں:

''عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت، کجی کو دور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنا دے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مور معبد جیسے سرمہ کو باریک کر کے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر پتھر ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا روح ہی روح ہو اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجروی اور ناہمواری، کنکر پتھر نہ رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔

(ملفوظات جلد اول، صفحہ 472، مطبوعہ 2018 قادیان)

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کے اس ارشاد (لِيَعْبُدُوْنِ) کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا اپنے لئے حرز جان بنا لیا تھا۔ عبادت میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ عبادات کے آئینہ میں آپ ﷺ کی سیرت کا مقام بہت بلند ہے۔ اتنا بلند کہ اس تک نہ پہلے کوئی پہنچا اور نہ کوئی بعد میں آنے والا پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

چوں زمن آید، ثنائے سرور عالی تبار
عاجز از مدحش، زمین و آسمان و ہر دو دار
(درثمین، صفحہ 122، مطبوعہ 1990 یوکے)

مجھ سے اس عالی قدر سردار کی تعریف کس طرح ہو سکے۔ جس کی مدح سے زمین و آسمان اور دونوں جہان عاجز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا ایک واقعہ پیش ہے۔

حضرت ام ایمن ؓ بیان کرتی ہیں کہ ''بُوانہ' وہ بت خانہ ہے جہاں قریش حاضری دیتے تھے، اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے اور ہر سال وہاں بیٹھ کر اعتکاف کرتے تھے۔ حضرت ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں حاضری دیتے اور رسول کریم ﷺ کو بھی وہاں جانے کیلئے کہتے مگر آپ ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ ان کے بار بار کہنے کے نتیجہ میں آپ ﷺ چلے گئے لیکن گھبراہٹ اور خوف کی حالت میں لوٹ آئے۔ آپ ﷺ کے عزیز رشتہ داروں نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جونہی میں کسی بت کے قریب جانے لگتا تو ایک سفید رنگ کا طویل القامت شخص میرے لئے متمثل ہوتا اور کہتا اے محمد پیچھے رہ اس بت کو مت چھو۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ پھر انہوں نے کبھی بھی حاضری کیلئے نہیں کہا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (السیرۃ الحلبیہ باب ما حفظ اللہ تعالیٰ فی صغرہ النبی ﷺ)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچپن سے ہی اپنی عبادت کیلئے خاص کر لیا تھا اور آپ ﷺ کے دل میں اپنی محبت ڈال دی۔

آنحضرت ﷺ ایسی جگہ اور ایسی قوم میں پیدا ہوئے جہاں چاروں طرف شرک پھیلا ہوا تھا۔ مگر آپ ﷺ کی فطرت صحیحہ میں خدائے واحد کی عبادت کے سوا کچھ نہ تھا آپ ﷺ تن تنہا غار حرا کی طرف نکل جاتے اور خدائے واحد کی عبادت میں گم ہو جاتے۔ حضرت خدیجہ ؓ آپ کو زاد تیار کر کے دیا کرتیں اور آپ لے کر غار حرا کی طرف نکل جاتے اور اپنے رب کی عبادت میں کھو جاتے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپؐ قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ ﷺ اس تنہائی میں ہی پوری لذت اور ذوق پاتے تھے ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو۔ آپ ﷺ وہاں کئی کئی راتیں گزارتے تھے۔''

(ملفوظات، جلد 4 صفحہ 317، مطبوعہ 2003 قادیان)

آغاز اسلام میں حضرت خدیجہ ؓ اور نوجوانوں میں حضرت علی ؓ آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے اور آپ ﷺ نے اس وقت سے ہی نماز باجماعت کی ادائیگی کا سلسلہ شروع فرمایا۔ پھر اس سلسلے کو عمر بھر جاری رکھا سفر و حضر، بیماری و صحت، عسر و یسر ہر حال میں اس فریضہ میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہ رکھا۔ ابتداء میں آپ ﷺ کفار مکہ کے فتنہ کے خوف سے چھپ کر بھی نماز ادا کرتے رہے۔ کبھی گھر میں پڑھ لیتے کبھی کسی پہاڑی گھاٹی میں۔ البتہ اشراق کی نماز علی الاعلان کعبہ میں ادا کرتے۔

دعویٰ نبوت کے بعد کفار مکہ نبی کریم ﷺ کو عبادت سے روکتے اور تکالیف دیتے۔ ایک بد بخت نے ایک دن حضور ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر مروڑنا شروع کیا اور گردن دبوچنے لگا۔ دم گھٹنے کو تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے دھکا دے کر ہٹایا اور کہا ''کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے۔''

اگر ہم آنحضرت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ عبادات کے آئینہ میں کریں تو یہ پتا لگتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل خدا کی عبادت میں گزرتا تھا اور نماز میں آپ ﷺ کی عبادت کی کیفیت اور زیادہ حسین ہو جاتی اور آپ اس میں ایک عجیب سکون محسوس فرماتے تھے۔

یہاں تک کہ وفات سے چند روز قبل جب آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو امامت کیلئے مقرر فرمایا تو بیمار ہونے کے باوجود دو صحابہ کی مدد سے گرتے پڑتے مسجد تشریف لائے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کو قلبی مسرت حاصل ہوئی۔

احادیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنی روزمرہ زندگی میں عبادت کا آغاز نماز تہجد سے کرتے تھے، نماز سے قبل وضو کرتے ہوئے مسواک کرتے۔ نہایت عمدہ اور لمبی نماز تہجد ادا کرتے۔ زیادہ دیر کھڑے رہنے کی وجہ سے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ اذان کی آواز سنتے پر آپ ﷺ مسجد نبوی چلے جاتے اور فجر کی نماز پڑھتے۔

(بخاری کتاب الدعوات، صفحہ 83)

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک رات جو میری آنکھ کھلی تو آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے ہوں۔ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی مبارک زمین پر ہے اور آپ ﷺ سر بسجود ہیں اور عبادت میں مصروف ہیں اور یہ دعا کر رہے ہیں:

سبحانك و بحمدك لا اله الا انت

یعنی اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریف

کے ساتھ ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دیکھ کر مجھے اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا سبحان اللہ! میں کیا سوچ رہی تھی اور خدا کا رسول کس طرح عبادات میں مصروف ہے۔ (نسائی کتاب عشرۃ النساء)

بعض دفعہ آپ ﷺ اتنی عبادت اور ریاضت کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ آپ ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام قصور معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”افلا احب ان اکون عبدًا شکورًا۔ کیا میں یہ نہ چاہوں کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں“ (صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن باب لیغفر لک......حدیث نمبر 4837)

رسول کریم ﷺ کو اپنے رب کی عبادت ہر دوسری چیز سے زیادہ عزیز تھی۔ نماز میں آپ ﷺ کی خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ روتے ہوئے سینے سے ہنڈیا کے ابلنے کی طرح آواز آتی تھی ۔ایک بار حضرت عائشہؓ آپؐ کو بستر پر نہ پا کر تلاش کرنے کیلئے نکلیں تو آپؐ کو سنسان قبرستان میں اس حالت میں پایا کہ سینہ ہنڈیا کی طرح ابل رہا تھا اور زبان پر بتکرار یہ اظہار عشق تھا۔

الھم سجد لك روحی و جنانی

یعنی اے میرے اللہ تیرے حضور میرا دل اور میری روح سجدہ ریز ہے۔

(بحوالہ سنن النسائی)

جنگ احد میں بھی مسلمانوں کو کیسی خطرناک اور خوفناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا، خود آپؐ بھی زخمی ہوئے تھے علاوہ ازیں 70 صحابہ کی شہادت کا زخم اس سے کہیں بڑھ کر اعصاب شکن تھا۔ مگر اس روز بھی آپ بلالؓ کی ندا پر حسب معمول نماز کیلئے تشریف لائے اور یہ چیز آپ کی عبادت کے رستے میں روک نہیں بن سکی ۔آپؐ کی زندگی کا تو ہر ہر لمحہ عبادتوں سے سجا ہوا تھا۔ آپؐ نے اپنے صحابہ میں بھی عبادتوں کے اعلیٰ معیار قائم کر دیئے اور آپؐ کی پاک تاثیرات نے ان میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو ان کی حالت یہ ہوگئی کہ

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا

(الفرقان: 65) یعنی وہ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے تھے۔

غرض آنحضور ﷺ کی عبادت ایسی عمدہ اور ایسی کامل تھی کہ خدا نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام: 163) یعنی اے رسول تو لوگوں کو کہہ دے کہ میری عبادت میری قربانی میری زندگی میری موت سب کچھ صرف خدا کیلئے ہے اور محض اللہ کی عبودیت کیلئے ہے۔ آپؐ کی عبادت نے دنیا کے سامنے نہ صرف ایک اعلیٰ معیار قائم کیا بلکہ دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہوا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی۔

مقدس حیات اور مطہر مذاق
اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
محمد ہی نام اور محمد ہی کام
علیك الصلوٰۃ علیك السلام

اس واقعہ کو یاد کریں جب آخری بیماری میں جبکہ رسول کریم ﷺ شدید بخار میں مبتلا تھے اس وقت بھی اگر آپؐ کو فکر تھی تو صرف نماز کی تھی ۔گھبراہٹ کے عالم میں بار بار پوچھتے کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ بتایا گیا کہ لوگ آپؐ کے منتظر ہیں ۔ بخار ہلکا کرنے کی خاطر فرمایا میرے اوپر پانی کے مشکیزے ڈالو ۔ پانی ڈالو۔ تعمیل ارشاد ہوئی۔ حکم پورا کیا گیا۔ پھر غشی طاری ہوگئی ۔ ہوش آیا تو پوچھا کہ نماز ہوگئی؟ جب پتا چلا کہ صحابہ ابھی انتظار میں ہیں تو پھر فرمایا مجھ پر پانی ڈالو۔ پانی ڈالا گیا۔ پھر اس طرح پانی ڈالنے سے جب بخار کم ہوا تو نماز پر جانے لگے مگر پھر کمزوری کی وجہ سے بیہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

(بخاری کتاب المغازی مرض النبیؐ)

راتوں کی عبادت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بجا طور پر آپؐ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے کہ

یبیت یجا فی جنبه عن فراشه
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

کہ آپ ﷺ اس وقت بستر سے الگ ہو کر رات عبادت میں گزار دیتے ہیں جب مشرکوں پر بستر کو چھوڑنا نیند کی وجہ سے بہت بوجھل ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب التہجد)

عبادت اور دعائیں تو آپؐ کا عام معمول تھا۔ رمضان کے مہینہ میں آپؐ کی عبادات میں اضافہ ہو جاتا۔ خصوصاً رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف میں تو بہت زیادہ عبادت کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”آخری عشرہ میں نبی کریمؐ اپنی کمر بہت کس لیتے تھے۔ اپنی راتوں کو زندہ کرتے اور عبادتِ الٰہی میں گذارتے تھے گھر والوں کو بھی جگا کر عبادت کیلئے تحریک فرماتے تھے اور اتنی محنت اور مجاہدہ آخری عشرہ میں فرماتے تھے کہ اتنا اہتمام کسی اور زمانہ میں نہیں ہوتا تھا۔

قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر الٰہی بھی ایک عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ رات کے وقت ذوق وشوق سے ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”جب کوئی عذاب کی آیت آتی تو خدا سے پناہ طلب کرتے اور جب کوئی رحمت کی آیت آتی تو اس کیلئے دعا کرتے۔ (نسائی کتاب الافتتاح)

رسول کریم ﷺ کی عبادت کا معراج حج بیت اللہ کے موقع پر بھی دیکھا گیا جب آپؐ نے محض جانوروں کی قربانی ہی خدا کی راہ میں نہیں کی بلکہ کفن کے لباس کی طرح محض دو چادروں کا لباس اوڑھ کر ننگے سر دیوانہ وار اپنے رب کریم کے پاک گھر بیت اللہ کا طواف کیا اور درحقیقت یہی عبادت کا نقطہ معراج تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

(برکات الدعا، روحانی خزائن، جلد 6، صفحہ 10)

حضرت علیؓ اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ: آنحضرتؐ کی آخری وصیت اور آخری پیغام جبکہ آپؐ جان کنی (نزع) کے عالم میں تھے اور سانس اکھڑ رہا تھا۔ یہ تھا کہ

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم

نماز اور غلام کے حقوق کا خیال رکھنا۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 18/فروری 2005 کے خطبے میں فرماتے ہیں:

یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بہترین خلاصہ ہے کہ جو رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کیلئے تجویز فرمایا ہزاروں ہزار درود وسلام ہوں اس پاک نبی ﷺ پر جس نے خود بھی عبادتوں کے اعلیٰ معیار قائم کئے اور اپنی امت کو بھی اس کی نصیحت فرمائی۔

شیخ سعدی شیرازیؒ اپنے مدحیہ کلام میں فرماتے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے صاحب الجمال اور اے انسانوں کے سردار آپ کے رخ انور سے چاند چمک اٹھا، آپ کی ثنا کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت ﷺ کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے عبادات اور نماز کو قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......☆......☆......

بقیہ اداریہ از صفحہ نمبر 1

شروع فرمایا اور ساتھ ساتھ دُعا بھی فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ اُونٹ تیز چلنے لگا اس پر حضوؐر نے فرمایا اب تمہارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور آپؐ کی برکت اور دُعا کے طفیل سے اب تیز چلنے لگا ہے۔ حضور نے فرمایا کیا تم اسے فروخت کروگے؟ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس پانی لانے کیلئے اس اُونٹ کے علاوہ کوئی اور اُونٹ نہیں تھا لیکن میں نے شرم کرکے کہہ دیا کہ اس کو فروخت کروں گا۔ حضوؐر نے فرمایا اچھا اسے میرے پاس فروخت کردو۔ میں نے اس اونٹ کو حضوؐر کے پاس اس شرط پر فروخت کر دیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ دورانِ سفر مَیں نے حضوؐر سے عرض کیا کہ حضور میری نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے مدینہ پہنچنے کی اجازت دیں۔ حضور نے مجھے اجازت دی اور میں دوسرے لوگوں سے پہلے مدینہ میں آ گیا۔ راستہ میں مجھے میرے ماموں ملے انہوں نے اونٹ کے بارہ میں پوچھا کہ یہ مریَل اونٹ اب تیز کس طرح چلنے لگا۔ میں نے تمام واقعہ انہیں سنادیا تو ماموں نے مجھے ملامت کی۔ (ماموں نے اس لئے ملاقات کی کہ حضرت جابرؓ کا اونٹ فرخت کرنا اُنہیں اچھا نہیں لگا کیونکہ وہ بھی اپنے کام کیلئے حضرت جابرؓ کا اونٹ استعمال کرتے تھے)

حضوؐر سے جب مَیں نے اجازت مانگی تو حضوؐر نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے شادی کنواری لڑکی سے کی ہے یا بیوہ عورت سے۔ مَیں نے عرض کیا۔ حضور! بیوہ عورت سے شادی کی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا تم نے کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنی تھی، وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! والد شہید ہو گئے اور پیچھے میرے لئے کئی چھوٹی چھوٹی بہنیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے مَیں نے پسند نہیں کیا کہ انہی جیسی مَیں بیوی گھر لے آؤں اور انکی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ جب حضوؐر مدینہ تشریف لائے۔ میں صبح صبح اُونٹ لے کر حاضر ہوا۔ حضوؐر نے مجھے اس کی قیمت بھی عطا فرمائی اور اُونٹ بھی (تحفۃً) دے دیا۔

(بخاری کتاب الجہاد باب استیذان الرجل الامام، بحوالہ حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 357)

حضرت جابر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک واقعہ بھی پیش ہے۔ جنگ احزاب کے موقع پر جبکہ اہل مدینہ جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ صحابہ کرام مدینہ کی ایک غیر محفوظ سمت میں خندق کھودنے میں مصروف تھے، کھانے کی کمی تھی۔ بعض صحابہ نے بھوک کی شدّت کو روکنے کے لئے اپنے پیٹ میں پتھر باندھا ہوا تھا۔ اس موقع پر سرکارِ دو عالمؐ کو بھی فاقہ تھا۔ آپؐ نے بھی اپنے پیٹ میں پتھر باندھا ہوا تھا۔ سیرت خاتم النّبیین میں ہے کہ :

’’جابر بن عبداللہ نے آپؐ کے چہرہ پر بھوک کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت کے آثار دیکھ کر آپؐ سے اپنے گھر جانے کی اجازت لی اور گھر آ کر اپنی بیوی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی شدت کی وجہ سے سخت تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا تمہارے پاس کھانے کیلئے کچھ ہے؟ اس نے کہا ہاں کچھ جَو کا آٹا ہے اور ایک بکری ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ اس پر میں نے بکری کو ذبح کیا اور آٹے کو گوندھا اور پھر اپنی بیوی سے کہا کہ تم کھانا تیار کرو۔ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں جا کر عرض کرتا ہوں کہ تشریف لے آئیں۔ میری بیوی نے کہا دیکھنا مجھے ذلیل نہ کرنا۔ کھانا تھوڑا ہے رسول اللہؐ کے ساتھ زیادہ لوگ نہ آئیں۔ جابر کہتے ہیں کہ مَیں گیا اور میں نے آہستگی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ گوشت اور جَو کا آٹا ہے جن کے پکانے کے لئے میں اپنی بیوی سے کہہ آیا ہوں آپؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کھانا کتنا ہے میں نے عرض کیا کہ اس اس قدر ہے۔ آپؐ نے فرمایا بہت ہے۔ پھر آپؐ نے اپنے اردگرد نگاہ ڈال کر بلند آواز سے فرمایا ’’اَے انصار و مہاجرین کی جماعت! چلو جابر نے ہماری دعوت کی ہے چل کر کھانا کھالو‘ اس آواز پر کوئی ایک ہزار فاقہ مست صحابی آپؐ کے ساتھ ہولئے۔ آپؐ نے جابر سے فرمایا کہ تم جلدی جلدی جاؤ اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ آلوں ہنڈیا کو چولہے پر سے نہ اتارے اور نہ ہی روٹیاں پکانا شروع کرے۔ جابر نے جلدی سے جا کر اپنی بیوی کو اطلاع دی اور وہ بیچاری سخت گھبرائی کہ کھانا تو صرف چند آدمیوں کے اندازہ کا ہے اور آ رہے ہیں اتنے لوگ! اب کیا ہوگا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچتے ہی بڑے اطمینان کے ساتھ ہنڈیا اور آٹے کے برتن پر دعا فرمائی اور پھر فرمایا اب روٹیاں پکانا شروع کردو۔ اس کے بعد آپؐ نے آہستہ آہستہ کھانا تقسیم کرنا شروع فرمادیا۔ جابر روایت کرتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی کھانے سے سب لوگ سیر ہو کر اٹھ گئے اور ابھی ہماری ہنڈیا اسی طرح ابل رہی تھی۔ اور آٹا اسی طرح پک رہا تھا۔ **(سیرت خاتم النّبیین، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ صفحہ 578)**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نُعَیمان بن عَمروؓ تھے۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر انصار کے ہمراہ شامل تھے۔ حضرت نُعَیمان تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک رہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نُعَیمان کیلئے سوائے خیر کے کچھ نہ کہو کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں مزاح پایا جاتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بدّو آیا اور مسجد میں داخل ہو کر اس نے اپنے اونٹ کو صحن میں بٹھا دیا۔ اس پر بعض صحابہ نے حضرت نعیمانؓ سے کہا کہ اگر تم اس اونٹ کو ذبح کر دو تو ہم اس کا گوشت کھائیں گے کیونکہ ہمیں گوشت کھانے کا بڑا دل کر رہا ہے۔ اور بہرحال یہ بدّو کا اونٹ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب شکایت ہوگی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تاوان ادا کر دیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت نعیمانؓ نے ان کی باتوں میں آ کے اونٹ ذبح کر دیا اور جب بدّو باہر نکلا اور اپنی سواری کو اس حالت میں دیکھا تو شور مچانے لگا کہ اَے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرا اونٹ ذبح ہو گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے کہا نعیمان نے۔ یہ کرنے کے بعد نعیمان وہاں سے چلے گئے، کہیں جا کے چھپ گئے تو آپؐ ان کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ انہیں حضرت ضُبَاعَہ بنتِ زُبیر بن عبدالمطلبؓ کے ہاں چھپا ہوا پایا۔ جہاں وہ چھپے ہوئے تھے وہاں ایک شخص نے اپنی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہاں سے نکالا اور فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کیوں کی ہے؟ تو نعیمان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جن لوگوں نے آپؐ کو میرے بارے میں خبر دی ہے کہ مَیں نے یہ ذبح کیا، انہوں نے ہی مجھے اس کام کے لئے اُکسایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں اس کا تاوان دے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کے نعیمانؓ کے چہرے پر اپنا ہاتھ لگایا اور مسکرانے لگے اور آپؐ نے اس بدّو کو اس اونٹ کی قیمت ادا کردی۔

مدینے میں جب بھی کوئی پھیری والا آتا تو حضرت نعیمانؓ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی چیز خرید لیتے اور وہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ عرض کرتے کہ آپؐ کے لیے میری طرف سے یہ تحفہ ہے۔ جب پھیری والا حضرت نعیمانؓ سے اس کی قیمت لینے کے لیے آتا تو نُعَیمان اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے اور عرض کرتے کہ اسے اس کے مال کی قیمت ادا کردیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ کیا تم نے یہ چیز مجھے بطور تحفہ نہیں دی تھی؟ تو وہ کہتے یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میرے پاس اس چیز کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم نہیں تھی۔ تاہم میرا اشوق تھا کہ اگر وہ کھانے کی چیز ہے تو آپؐ اسے کھائیں، رکھنے کی چیز ہے تو آپؐ اسے رکھیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگتے اور اس چیز کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے۔

(خطبہ جمعہ سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 13 رستمبر 2019ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مخلص انصاری صحابی تھے حضرت عبداللہؓ۔ اِن کے والد کا نام تھا عبد اللہ بن ابی بن سلول۔ یہ منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے کوئی بھی موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کا نہیں چھوڑا۔

جنگ احد کے موقع پر پہلے تو عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے آدمیوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکل پڑا لیکن عین اُحد کے دامن میں پہنچ کر اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس ہو گیا۔ اس طرح لشکر کی مجموعی تعداد جو ایک ہزار تھی اس کے نکل جانے سے صرف 700 رہ گئی۔

غزوہ بنی مصطلق جو 5 ہجر میں ہوا، اس موقع پر انصار و مہاجرین کے مابین کسی غلط فہمی کی بنا پر قریب تھا کہ لڑائی ہو جاتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی مقناطیسی شخصیت اور ہر دو فریق کے دل میں آپؐ کی بے پناہ محبت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین بھی اس جنگ میں شامل تھا۔ جب اُسے اس بات کا علم ہوا تو وہ اس اختلاف کو ہوا دینے میں لگ گیا اور اس نے یہاں تک کہہ دیا: لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ (المنافقون: 9) یعنی مَیں جو عزّت والا ہوں محمدؐ کو جو نعوذ باللہ من ذالک ذلیل شخص ہیں مدینہ پہنچ کر مدینہ سے نکال دوں گا۔ تھوڑی دیر میں حضرت عبداللہ جو آنحضرت کے نہایت مخلص صحابی تھے، جن کا ذکر ہو رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے

لگے۔ یارسولؐ اللہ! مَیں نے سنا ہے کہ آپؐ میرے باپ کی گستاخی اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دینا چاہتے ہیں۔ اگر آپؐ کا یہی فیصلہ ہے تو آپؐ مجھے حکم فرمائیں مَیں ابھی اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپؐ کے قدموں میں لا ڈالتا ہوں مگر آپؐ کسی اَور کو ایسا ارشاد نہ فرمائیں کیونکہ مَیں ڈرتا ہوں کہ جاہلیت کی کوئی رگ کسی وقت میرے بدن میں جوش مارے اور مَیں اپنے باپ کے قاتل کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھوں اور خدا کی رضا چاہتا ہوا بھی جہنم میں جا گروں۔ آپؐ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ ہمارا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے بلکہ ہم بہرحال تمہارے والد کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کریں گے۔ قابل غور ہے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن سلول رئیس المنافقین کے بیٹے عبداللہؓ کے ساتھ کس طرح محبت وشفقت کا معاملہ کیا۔

اِسی غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے موقع پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کا بانی مبانی منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ غرضیکہ کوئی موقع عبداللہ بن ابی بن سلول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو زخمی کرنے کا نہیں چھوڑتا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا سلوک فرمایا۔ جب ابی بن سلول کی وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کی نمازِ جنازہ کیلئے درخواست کی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی درخواست کی کہ آپؐ اپنی قمیص عنایت فرمائیں تا کہ وہ بطور کفن اپنے والد کیلئے استعمال کرسکیں اور اس طرح شاید میرے والد سے تخفیف ہو سکے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کرتہ عنایت فرمایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ پڑھنے لگے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منافقین کی نمازِ جنازہ سے منع کیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے منع نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ مَیں چاہوں تو ان کیلئے استغفار کروں اور چاہوں تو نہ کروں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی کلیۃً ممانعت فرمادی تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانی بند کردی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن سلول کے ساتھ جو مہربانی کا سلوک فرمایا اس کی اصل وجہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے، جبکہ روایت میں اس کی کوئی اور وجہ بیان کی جاتی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بہرحال یہ شفقت کا جو سلوک تھا میرے خیال میں تو حضرت عبداللہؓ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ بیٹے نے جو ہر معاملے میں اسلام کی غیرت رکھی ،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت رکھی اور اپنے ایمان کو بچایا اور اپنے باپ پر سختی بھی کی تو اس لیے بچے کی دل داری کیلئے، بیٹے کی دل داری کیلئے یا اس کی خواہش کی وجہ سے آپؐ نے قمیص اتار کے دی تھی۔ (ماخوذ از خطبہ جمعہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ 15/نومبر 2019ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہوچکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اِس لئے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین وآخرین پر فضیلت بخشی اور اُس کی مرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔‘‘

(حقیقۃ الوحی رُوحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (منصور احمد مسرور)

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ

بدرگاہِ ذی شان خیر الانام شفیعُ الوریٰ مرجع خاص و عام
بصد عجز و منّت بصد احترام یہ کرتا ہے عرض آپؐ کا اِک غُلام
کہ اے شاہِ کونین عالی مقام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں جو دیکھا وہ حسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلق کامل زہے حُسنِ تام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

خلائق کے دِل تھے یقیں سے تہی بُتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دُنیا پہ وہ چھا رہی کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپؐ کے دم سے اس کا قیام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

محبت سے گھائل کیا آپؐ نے دلائل سے قائل کیا آپؐ نے
جہالت کو زائل کیا آپؐ نے شریعت کو کامل کیا آپؐ نے
بیاں کر دیئے سب حلال و حرام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

نبوت کے تھے جس قدر بھی کمال وہ سب آپؐ میں جمع ہیں لامحال
صفاتِ جمال اور صفاتِ جلال ہر اِک رنگ ہے بس عدیم المثال
لِیا ظُلم کا عفو سے انتقام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

مقدّس حیات اور مُطہر مذاق اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہاں گیر یکراں براق کہ بگذشت از قصر نیلی رواق
محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

علمدارِ عُشاقِ ذاتِ یگاں سپہدارِ افواجِ قُدوسیاں
معارف کا اِک قُلزمِ بیکراں افاضات میں زندۂ جاوداں
پلا ساقیا آبِ کوثر کا جام
علیكَ الصلوٰۃ علیكَ السلام

سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ
دلم ہر وقت قربانِ محمدﷺ

منظوم کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ | عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

محمد ﷺ کی جان میں ایک عجب نور ہے، محمد ﷺ کی کان میں ایک عجیب وغریب لعل ہے

زظلمت ہا دلے آنگہ شود صاف | کہ گردد از محبّانِ محمدؐ

دل اُس وقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد ﷺ کے دوستوں میں داخل ہوجاتا ہے

عجب دارم دل آں ناکساں را | کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ

میں اُن نالائقوں کے دلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمد ﷺ کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم | کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ

دونوں جہان میں مَیں کسی شخص کو نہیں جانتا جو محمد ﷺ کی سی شان وشوکت رکھتا ہو

خُدا خود سوزد آں کرمِ دنی را | کہ باشد از عدوّانِ محمدؐ

خدا خود اس ذلیل کیڑے کو جلا دیتا ہے جو محمد ﷺ کے دشمنوں میں سے ہو

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس | بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

اگر تو نفس کی مستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمد ﷺ کے مستانوں میں سے ہوجا

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت | بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ

اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تیری تعریف کرے تو تہ دل سے محمد ﷺ کا مدح خواں بن جا

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش | محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمد ﷺ ہی خود محمدؐ کی دلیل ہے

سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ | دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ

میرا سر احمد ﷺ کی خاکِ پا پر نثار ہے اور میرا دل ہر وقت محمد ﷺ پر قربان رہتا ہے

دگر اُستاد را نامے ندانم | کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

میں کسی اور اُستاد کا نام نہیں جانتا، میں تو صرف محمد ﷺ کے مدرسہ کا پڑھا ہوا ہوں

اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ | بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہوجا اور محمد ﷺ کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر

اَلا اے منکر از شانِ محمدؐ | بجو در آل و اَعوانِ محمدؐ

خبردار ہوجا! اے وہ شخص جو محمد ﷺ کی شان نیز محمد ﷺ کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے

کرامت گرچہ بے نام ونشان است | بیا بنگر زِ غلمانِ محمدؐ

اگر چہ کرامت اب مفقود ہے، مگر تو آ اور اسے محمد ﷺ کے غلاموں میں دیکھ لے

❀❀❀

EDITOR
MANSOOR AHMAD

Tel : (0091) 82830-58886

Website : akhbarbadrqadian.in
: www.alislam.org/badr

E-mail :
badrqadian@rediffmail.com

Registered with the registrar of the newspapers for India at No. RN 61/57

ہفت روزہ بدر قادیان

Weekly BADAR Qadian

Qadian - 143516 Distt. Gurdaspur (Pb.) INDIA

Vol. 69 Thursday 13 - August - 2020 Issue. 33

MANAGER
NAWAB AHMAD

Tel : (0091) 94170-20616

SUBSCRIPTION

ANNUAL: Rs. 700

By Air : 50 Pounds or
: 80 U.S $ or
: 60 Euro

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

”صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا

خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“

(صحیح بخاری، کتاب فضل الصّلوٰۃ فی مکۃ والمدینۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری اس مسجد (یعنی مسجد نبویؐ) میں ایک وقت کی نماز

دوسری مساجد میں ایک ہزار نماز سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے

Printed & Published by: Jameel Ahmed Nasir on behalf of Nigran Board of Badar. Name of Owner: Nigran Board of Badar. And printed at Fazle-Umar Printing Press. Harchowal Road, Qadian, Distt. Gurdaspur-143516, Punjab.
And published at office of Weekly Badar Mohallah - Ahmadiyya, Qadian Distt. Gsp-143516, Punjab. India Editor:Mansoor Ahmad

جمیل احمد ناصر، پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر:۔نگران بدر بورڈ قادیان